شفاء القلوب

مصنف

حضرت مولانا مفتی محمد شعیب اللہ خان صاحب مفتاحی

(بانی و مہتمم جامعہ اسلامیہ مسیح العلوم، بنگلور)

شعبۂ تحقیق واشاعت

Jamia Islamia Maseehul Uloom, Bangalore

K.S. Halli, Post Kannur Village, Bidara Halli Hobli, Baglur Main Road, Bangalore - 562149

H.O # 84, Armstrong Road, Mohalla Baidwadi, Bharthi Nagar, Bangalore - 560 001

Mobile : 9916510036 / 9036701512 / 9036708149

فہرست شفاء القلوب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بڑے موذی کو مارا نفس امّارہ کو گر مارا
نہنگ واژ دھا وشیر نر مارا تو کیا مارا
گیا شیطان مارا ایک سجدہ کے نہ کرنے پر
اگر لاکھوں برس سجدہ میں سر مارا تو کیا مارا

شفاء القلوب

از

حضرت مولانا مفتی محمد شعیب اللہ خان صاحب مفتاحی
مہتمم مدرسہ مسیح العلوم، آرمسٹرانگ روڈ، بیدواڑی، بنگلور

وخلیفہ

فقیہ الاسلام حضرت اقدس مفتی مظفر حسین صاحب دامت برکاتہم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تقریظ

حضرت استاذی محمد سلمان صاحب گنگوہی دامت برکاتہم

استاذ حدیث جامعہ اشرف العلوم گنگوہ وخلیفہ حضرت مفتی محمود حسن گنگوہیؒ

الحمدللّٰہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی سیدالانبیاء والمرسلین وعلی آلہ واصحابہ اجمعین. امابعد

زیر نظر رسالہ ''شفاء القلوب'' مؤلفہ مولانا شعیب اللہ صاحب زید مجدھم مہتمم مدرسہ مسیح العلوم بیدواڑی بنگلور کا مسوّدہ مختلف مقامات سے دیکھنے کا موقع ملا۔ رسالہ اصلاحِ قلب کی ضرورت واہمیت اوراس مسئلہ میں قرآن وحدیث اور بزرگان سلف کی تعلیمات وہدایات پر مشتمل ہے جواس دور پرفتن میں از حد ضروری ہے، کیونکہ آج اصلاح قلب کے بارے میں عوام تو عوام علماء بھی غافل ہیں۔ رسالہ کے تمام مضامین ماشاءاللہ مفید ومستند ہیں۔

احقر نے مؤلف کی دیگر متعدد تالیفات کا بھی مطالعہ کیا ہے جو ماشاءاللہ خواص وعوام کے لیے بہت ہی مفید ہیں۔ میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ دیگر تالیفات کی طرح اس کو بھی مقبول ومفید فرمائے۔

فقط

محمد سلمان عفی عنہ گنگوہی

۳۔۲۵،۱۴۲۱ھ

نقشِ اولین

حامداً ومصلیاً۔ زیرِنظر کتابچہ ''شفاء القلوب'' اصلاح باطن وتزکیۂ نفس کی ضرورت واہمیت اوراس کے طریق کار کے متعلق قرآن وحدیث واقوال صحابہ وعلماء پر مشتمل ایک مختصر تحریر ہے، ابتداء میں محض ایک آٹھ دس ورقی رسالہ کا خیال تھا جو خصوصاً طلباء مدارس کواصلاح باطن کی طرف متوجہ کرنے کے جذبہ کے تحت پیدا ہوا تھا، مگر جب لکھنا شروع کیا تو اس مضمون کی عام ضرورت کا بھی احساس ہوا اور کچھ تفصیل ووضاحت کی ضرورت بھی محسوس ہوئی، کیونکہ سلوک وتصوف کے نام پر جاہل وملحد پیروں نے عوام کو گمراہ کررکھا ہے، اور شریعت وطریقت کو دوالگ الگ خانوں میں بانٹ کرلوگوں کوشریعت سے آزاد کرنے کی ناپاک کوشش کی ہے۔

لہٰذا یہ آٹھ دس ورقی، پچاس ساٹھ ورقی بن گیا، گویا سمجھنا چاہئے کہ آٹھ دس ورقی متن کی شرح پچاس ساٹھ صفحات میں پیش کی گئی ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس ناکارۂ علم وعمل کواورتمام مسلمانوں کو ہرقسم کی جسمانی وروحانی بیماریوں سے نجات عطا فرمائے اوراس تحریر کوشرفِ قبولیت سے مشرف فرمائے اورنافع ومفید بنائے۔

فقط

محمد شعیب اللہ خان
مہتمم جامعہ اسلامیہ مسیح العلوم، بنگلور

۱۶/جمادی الاولیٰ ۱۴۲۱ھ مطابق ۱۷/اگست ۲۰۰۰ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قرآن وحدیث سے یہ بات واضح طور پر معلوم ہوتی ہے کہ جس طرح بدنی امراض، انسان کولاحق ہوتے ہیں، اسی طرح قلبی امراض کا بھی وہ شکار ہوتا ہے اوراس پرضروری ہے کہ ان امراض کے ازالہ کی فکر کرے اوراپنے قلب کوصحت مند بنائے ،مگرآج عجیب حالت ہے کہ ہم کو بدنی امراض کے لاحق ہونے پراس کےعلاج وازالہ کی جتنی فکر ہوتی ہے،اس کی عشرعشیر بھی روحانی قلبی بیماریوں کے علاج معالجہ اوراس کے ازالہ واصلاح کے لیےنہیں ہوتی، بلکہ کہا جاسکتا ہے کہ اس کی طرف کوئی توجہ والتفات ہی نہیں ہوتا، بلکہ ہم ہزاروں امراض روحانیہ وقلبیہ کا شکار ہونے کے باوجود، اپنے آپ کو بیمار ہی نہیں سمجھتے بلکہ بہتوں کوتو یہ بھی خبرنہیں کہ روحانی بیماریاں کیا ہیں؟ جن کی اصلاح اورعلاج کی ضرورت ہے۔

اس صورت حال کالازمی نتیجہ یہی ہے اورہونا چاہئے کہ روحانی بیماریوں کی معاشرے میں بہتات ہواورمعاشرہ ان بیماروں سے متعفن وفاسد ہوجائے، نیز یہ بیماریاں متعدی ہو کر ان کے شکار ہونے والوں کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہوتا جائے، پھرصحت مند بھی ان کی لپیٹ میں آتے رہیں۔ چنانچہ یہی سب کچھ ہورہا ہے، اوران بیماریوں کے اثرات مساجد، مدارس، خانقاہوں، علماء، حفاظ، مشائخ اوردینداروں سب تک پہنچ رہے ہیں۔ یہ صورت حال کس قدرلرزہ خیزاورتباہ کن ہے، اس کا اندازہ بھی وہی کرسکیں گے، جوان قلبی امراض کی ہلاکت خیزیوں سے واقف ہوں، ورنہ ان امراض کی وجہ سے جن کے قلوب واذہان ماؤف وبےحس ہوچکے ہوں، وہ اس کا اندازہ بھی نہ کرسکیں گے۔

الغرض امراضِ قلوب کامعلوم کرنااورپھران کے ازالہ وعلاج کی تدبیر کا جاننا اوراس پرعمل کرکے اپنے قلوب کوپاک وصاف، مجلیٰ ومصفّیٰ بنانا ضروری ہے۔

اس مختصر تحریر میں اسی سے متعلق چند گذارشات پیش کرنے کا ارادہ ہے۔
واللہ الموفق والہادی الی سواء السبیل۔

قلبی امراض کا ثبوت

قرآن وحدیث سے پتہ چلتا ہے کہ امراض جس طرح بدنی ہوتے ہیں، اسی طرح قلبی بھی ہوتے ہیں۔قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے:

﴿فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَرَضٌ﴾ (البقرہ:۱۰/۱)

(ترجمہ: ان منافقین کے دلوں میں بیماری ہے)

اس آیت میں منافقین کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ ان کے دلوں میں مرض ہے، اس مرض سے مراد شک ونفاق یا انکار وتکذیب ہے۔(۱)

اسی طرح متعدد آیات میں منافقین کے بارے میں یہ بات بتائی گئی ہے۔
ایک جگہ فرمایا گیا کہ: ﴿لَئِنْ لَّمْ یَنْتَهِ الْمُنَافِقُوْنَ وَالَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَرَضٌ﴾ (احزاب:۲۲/۶۰)

(ترجمہ: اگر منافقین اور وہ لوگ جن کے دلوں میں بیماری ہے باز نہ آئیں)

اس جگہ منافقین کے بعد ان لوگوں کا ذکر کیا ہے جن کے دل بیماری میں مبتلا ہیں۔معلوم ہوا کہ یہاں ان لوگوں سے مراد منافقین کے علاوہ دوسرے لوگ ہیں۔مفسرین لکھتے ہیں کہ اس سے مراد وہ مسلمان ہیں جن کے اندر ایمان قوی ومضبوط نہیں ہوا تھا، بلکہ ضعفِ ایمان کا وہ شکار تھے۔(۲)

اور عکرمہ سے مروی ہے کہ اس سے مراد زنا کار لوگ ہیں۔(۳)

معلوم ہوا کہ ضعف ایمان اور شہوت پرستی کا جذبہ قلبی مرض ہے، جس کو یہاں ذکر کیا گیا ہے۔

---

(۱) قرطبی: ۱۹۷/۱ (۲) روح المعانی: ۹۰/۲۲ (۳) ابن کثیر: ۵۳۵/۳

اور ایک جگہ ارشاد ربانی ہے:

﴿فَلا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِىْ فِىْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ﴾ (احزاب:۲۲/۲۳)

(ترجمہ: عورتیں (غیر مردوں سے) بات چیت میں نرمی اختیار نہ کریں کہ کہیں وہ شخص جس کے دل میں مرض ہے طمع ولالچ نہ کرے)۔

اس آیت میں مرض سے مراد فسق وفجور کی طرف میلان اور شہوت رانی کی ہوس ہے۔(۱)

نیز حدیث میں فرمایا گیا ہے:

"اَلاَ إِنَّ فِىْ الْجَسَدِ مُضْغَةً اِذَا صَلُحَتْ صَلُحَ الْجَسَدُ كُلُّهُ وَاِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهُ، اَلاَ وَهِىَ الْقَلْبُ". (۲)

(ترجمہ: خبردار کہ جسم میں ایک لوتھڑا ہے، جب وہ درست رہتا ہے تو سارا جسم درست رہتا ہے، اور جب وہ فاسد وخراب ہوجاتا ہے تو سارا جسم فاسد وخراب ہوجاتا ہے اور خبردار کہ وہ دل ہے)

اس حدیث سے یہ پتہ چلتا ہے کہ جسم کی طرح قلب بھی صلاح وفساد، صحت وبیماری سے متصف ہوتا ہے۔ نیز حدیث میں ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ "دَبَّ إِلَيْكُمْ دَاءُ الْأُمَمِ قَبْلَكُمْ، أَلْحَسَدُ وَالْبَغْضَاءُ هِيَ الْحَالِقَةُ. لَاأَقُوْلُ تَحْلِقُ الشَّعْرَوَلٰكِنْ تَحْلِقُ الدِّيْنَ". (۳)

(ترجمہ: تم میں پہلے گذری ہوئی امتوں کی بیماری سرایت کرگئی ہے، یعنی حسد وبغض، وہ مونڈنے والی ہے، میں یہ نہیں کہتا کہ بال مونڈتی ہے، بلکہ دین کو مونڈتی ہے)۔

(۱) قرطبی:۱۴/۱۷۷ (۲) بخاری:۱/۱۳، مسلم:۲/۲۸ (۳) مشکوٰۃ:۴۲۸

اس حدیث میں حسد و بغض کو بیماری فرمایا گیا اور ظاہر ہے کہ یہ بیماری اگر ہے تو دل کی بیماری ہے نہ کہ جسم کی بیماری۔ ایک حدیث میں ہے کہ:

"اِنَّ هٰذِه الْقُلُوْبَ تَصْدأ كَمَا يَصْدأُ الْحَدِيْدُ إذاأصابَهُ الماءُ قِيْلَ يَارَسُولَ اللّٰه! وَمَاجِلائُهَاقَالَ كَثرةُ ذِكْرِالمَوْتِ وَتِلاوَةِ الْقُرْآنِ". (۱)

(ترجمہ: یہ دل اس طرح زنگ آلود ہوجاتے ہیں جیسے لوہا زنگ آلود ہوجاتا ہے جب کہ اس کو پانی پہنچے، عرض کیا گیا کہ یارسول اللہ! اس کی صفائی کیا ہے؟ فرمایا کہ موت کو کثرت سے یاد کرنا اور قرآن شریف کی تلاوت کرنا)۔

یہ حدیث بتارہی ہے کہ دل پر زنگ لگ جاتا ہے جیسے لوہے کو زنگ لگ جاتا ہے معلوم ہوا کہ دل کو بھی روگ و بیماری لگتی ہے۔ اس حدیث میں دل کے زنگ سے کیا مراد ہے۔ ملاعلی قاری رحمۃ اللہ علیہ مرقات میں لکھتے ہیں۔

"أي يعرض لها دنس بتراكم الغفلات وتزاحم الشهوات"
(یعنی دل پر غفلتوں کے ڈھیر لگنے اور شہوتوں کی بھیڑ لگنے سے میل آجاتا ہے)(۲)

غرض یہ کہ قرآن سے بھی اور احادیث سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ انسان کا دل مختلف امراض کا شکار ہوتا ہے۔

امراض قلوب کی فہرست

یہاں مختصر طور پر یہ جان لینا ضروری ہے کہ یہ امراض قلوب کیا ہیں؟ امام غزالیؒ نے اپنی کتاب "احیاء العلوم" میں ایک فہرست احوال مذمومہ کی پیش کی ہے، وہ سارے احوال مذمومہ ہی دراصل امراض قلوب ہیں۔ یہاں ان کی تلخیص پیش کردینا مناسب معلوم ہوتا ہے:

(۱) مشکوۃ شریف: ۱۸۹ (۲) مرقات شرح مشکوٰۃ ج: ۴/ ۳۷۲

(۱) کینہ (۲) حسد (۳) اپنے لیے علو مرتبہ کی طلب (۴) اپنی تعریف کی خواہش (۵) دنیا میں لذت اندوزی کے لیے زیادہ رہنے کی خواہش (۶) تکبر و بڑائی (۷) ریا کاری (۸) لالچ وحرص (۹) بخل و کنجوسی (۱۰) دنیا کی رغبت وچاہت (۱۱) لوگوں سے نفرت وعداوت (۱۲) اترانا (۱۳) مالداروں کی عظمت کرنا (۱۴) فقیروں کی توہین کرنا (۱۵) فخر وغرور کرنا (۱۶) دنیوی چیزوں میں ایک دوسرے پر سبقت (۱۷) حق سے اکڑنا (۱۸) لایعنی باتوں میں دلچسپی (۱۹) بہت بولنے کی خواہش (۲۰) ڈینگ مارنا (۲۱) مخلوق کے لیے بناؤ سنگار (۲۲) دین کے بارے میں مداہنت (۲۳) خود پسندی (۲۴) اپنے عیوب کو چھوڑ کر دوسروں کے عیوب تلاش کرنا (۲۵) دل سے آخرت کا غم زائل ہوجانا (۱۶) دل سے خوف وخشیت کا نکل جانا (۲۷) لوگوں کی طرف سے کوئی ذلت کی بات پیش آئے تو سختی سے بدلہ لینا (۲۸) حق کے لیے بدلہ لینے میں کمزوری دکھانا (۲۹) چھپی دشمنی کے باوجود دوستی ظاہر کرنا (۳۰) نعمتوں کے سلب ہوجانے کا اندیشہ نہ کرنا اور بے خوف ہوجانا (۳۱) خدائی فیصلہ سے ناراضگی (۳۲) اپنی نیکیوں اور عبادتوں پر بھروسہ کرنا (۳۳) مکروفریب سے کام لینا (۳۴) خیانت کرنا (۳۵) لمبی لمبی آرزوئیں باندھنا (۳۶) دل کی سختی (۳۷) بے ہودہ گوئی (۳۸) دنیا پر شاداں وفرحاں اور دنیا کے فوت ہوجانے پر غمگین ہونا (۳۹) مخلوق سے انس اور ان کی جدائی سے وحشت محسوس کرنا (۴۰) ظلم وزیادتی (۴۱) عجلت پسندی (۴۲) شرم وحیاء کی کمی (۴۳) لوگوں پر رحم وکرم کا فقدان۔

امام غزالیؒ ان احوال وامراض کا ذکر کرکے فرماتے ہیں کہ یہ اور اس جیسی کیفیتیں اور حالتیں، بے حیائیوں کے اگنے کی جگہیں اور ناجائز اعمال وحرکات کے جنم لینے کے مقامات ہوتے ہیں۔ (۱)

---

(۱) احیاء العلوم: ۱/۲۰-۲۱

بعض حضرات صوفیاء نے ان تمام امراض کو دس اصول میں جمع کر دیا ہے۔
چنانچہ امام غزالیؒ نے اپنی کتاب ''الاربعین'' میں اور ''کیمیائے سعادت'' وغیرہ میں ایسا ہی کیا ہے۔ میرے مرشد اول حضرت مسیح الامت مولانا مسیح اللہ خان صاحب علیہ الرحمۃ نے بھی اپنی کتاب ''شریعت وتصوف'' میں دس چیزوں کا ذکر کیا ہے۔ اور وہ سب اس شعر میں درج ہیں ؎

خواہی کہ شود دل تو چوں آئینہ ☆ دہ چیز بروں کن از دروں سینہ
حرص و امل و غضب دروغ و غیبت ☆ حسد و بخل وریا و کبر و کینہ

☆ (ترجمہ: اگر تو چاہتا ہے کہ تیرا دل مثل آئینہ کے صاف وشفاف ہو جائے تو دس چیزوں کو اپنے دل سے نکال دے اور وہ دس چیزیں یہ ہیں۔
(حرص، وطول امل (لمبی آرزو) غصہ، جھوٹ، غیبت، حسد، کنجوسی، ریا کاری، تکبر اور کینہ)۔

اور امام غزالیؒ اربعین میں جن دس امراض کو اصل اور جڑ قرار دیا ہے وہ یہ ہیں:
(۱) کھانے کی حرص و کثرت (۲) بولنے کی حرص و کثرت (۳) غصہ (۴) بخل و کنجوسی (۵) حسد و کینہ (۶) دولت کی محبت (۷) فخر وشہرت وجاہ طلبی (۸) تکبر و بڑائی (۹) خود پسندی (۱۰) ریا کاری۔

غرض یہ کہ یہ چند بہت ہی قابلِ توجہ امراض قلبی ہیں۔ جن سے اور بہت سی روحانی بیماریاں بلکہ ظاہری بیماریاں بھی پیدا ہوتی ہیں۔

❁ باطنی امراض، ظاہری گناہوں کا سبب

چنانچہ مثال کے طور پر حرص و کثرت کلام کو لیجئے۔ اس ایک روحانی بیماری سے جھوٹ، فضول گوئی، غیبت، بہتان طرازی، مذاق واستہزا وغیرہ امراض جنم لیتے

ہیں، اسی طرح بخل و کنجوسی کی بنا پر آدمی زکوٰۃ وصدقات میں کوتاہی کا مرتکب ہوتا ہے حبّ مال وحبّ دنیا سے حرام وحلال کی پرواہ کیے بغیر مال و دولت کے جمع کرنے میں لگ جاتا ہے۔ حسد و کینہ ظلم و زیادتی کا سبب بن جاتے ہیں۔ اسی طرح غصہ بھی ظلم و زیادتی کا باعث بن جاتا ہے۔ اور طول امل (لمبی آرزو) سے کئی بیماریاں جنم لیتی ہیں، مثلاً طاعت و عبادت میں سستی، گناہوں سے توبہ میں غفلت، مال کی حرص، دل کی قساوت، آخرت سے غفلت وغیرہ۔ ان تمام کی تفصیل کے لیے امام غزالیؒ کی کتاب ''منھاج العابدین'' بے نظیر کتاب ہے۔ اس کا ضرور مطالعہ کرنا چاہئے۔

غرض یہ کہ ایک روحانی بیماری کئی اور روحانی وظاہری بیماریوں کا سبب و باعث بن جاتی ہے۔

مرض کی حقیقت:

یہاں یہ بھی سمجھ لینا چاہئے کہ مرض کی حقیقت کیا ہے:

علامہ ابن تیمیہؒ نے اس مقام پر جو لکھا ہے، اس کا خلاصہ پیش کرتا ہوں، وہ فرماتے ہیں کہ بدن کا مرض یہ ہے کہ بدن کی صحت وصلاح کے خلاف ہو اور وہ بدن میں ایک قسم کا فساد ہے، جس سے بدن کی قوت ادراک وحرکت طبعی میں فساد پیدا ہو جاتا ہے، کبھی ادراک ہی ختم ہو جاتا ہے، جیسے اندھا یا بہرا ہو جانا اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ آدمی اس مرض کی وجہ سے اشیاء کو کچھ کا کچھ ادراک کرتا ہے، جیسے میٹھی چیز کو کڑوا محسوس کرتا ہے یا ایسی چیزوں کا تخیل کرتا ہے جن کی خارج ونفس الامر میں کوئی حقیقت نہیں (جیسا کہ بیمار کو ہوتا ہے)۔

اور رہا حرکتِ طبعی کا فساد تو وہ جیسے قوت ہاضمہ کا کمزور ہونا یا جیسے ان غذاؤں سے نفرت کرنا جن کی ضرورت ہے اور نقصان دہ چیزوں کو پسند کرنا (جیسے عموماً بخار کے وقت ہوتا ہے کہ کھانے کی چیز سے نفرت ہو جاتی ہے اور نقصان دہ چیزوں

سے الفت و محبت ہو جاتی ہے)۔

علامہ ابن تیمیہؒ کہتے ہیں کہ دل کا مرض بھی ایک قسم کا فساد ہے جس سے دل کی قوت ادراک وقوت ارادہ فاسد ہو جاتی ہے، دل کے تصور و ادراک کا فساد شبہات وشکوک کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے حتی کہ آدمی کو حق نظر نہیں آتا یا حق کو اس طرح دیکھتا ہے جو اس کی حقیقت کے خلاف ہے (یعنی حق باطل نظر آتا ہے اور باطل حق نظر آتا ہے جیسے بعض وقت بیمار میٹھے کو کڑوا اور کڑوے کو میٹھا محسوس کرتا ہے) اور ارادہ کا فساد اس طرح ہوتا ہے کہ نفع بخش حق بات سے بغض ہوتا ہے اور نقصان دہ باطل سے پیار ہو جاتا ہے۔(۱)

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ دل جب بیمار ہوتا ہے تو اس میں دو قسم کا فساد پیدا ہوتا ہے، ایک فساد دل کی قوت ادراک واحساس میں پیدا ہوتا ہے، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کی حس وادراک یا تو ختم ہو جاتا ہے، پھر وہ حق کو دیکھ ہی نہیں سکتا، جیسے اندھا کسی چیز کو دیکھ نہیں سکتا۔ ایسے ہی لوگوں کے بارے میں قرآن میں فرمایا گیا ہے:

﴿فَإِنَّهَا لاَ تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِىْ فِيْ الصُّدُوْرِ﴾ (الحج:۴۶)

(ترجمہ: کیونکہ بے شک (ان کی) آنکھیں اندھی نہیں ہیں، ہاں (ان کے) دل اندھے ہو گئے ہیں جو سینوں میں ہیں)۔

ایک جگہ اور فرمایا گیا:

﴿وَلَقَدْ ذَرَأْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْراً مِّنَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا اُوْلٰئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ اُوْلٰئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ﴾ (اعراف:۱۷۹)

(۱) فتاوی ابن تیمیہ: ۱۰: ۹۲-۹۳

(ترجمہ: اور ہم نے ایسے بہت سے جن اور انسان دوزخ کے لیے پیدا کیے ہیں، جن کے دل ایسے ہیں، جن سے نہیں سمجھتے، اور جن کی آنکھیں ایسی ہیں، جن سے نہیں دیکھتے، اور جن کے کان ایسے ہیں جن سے نہیں سنتے، یہ لوگ چوپایوں کی طرح ہیں، بلکہ یہ لوگ زیادہ بے راہ ہیں، یہ لوگ غافل ہیں)۔(۱)

ان آیات سے معلوم ہوا کہ دل کا ایک فساد یہ ہے کہ اس کے اندر سے حق کو دیکھنے کی اور قبول کرنے کی صلاحیت ہی ختم ہو جاتی ہے اور دل اندھا ہو جاتا ہے۔

یا حس وادراک ختم تو نہیں ہوتا، البتہ اس میں ایسا فساد آجاتا ہے کہ وہ چیزوں کو ان کی حقیقت کے خلاف محسوس کرتا ہے۔ حق اس کو باطل نظر آتا ہے اور باطل حق نظر آتا ہے، نافع کو ضار سمجھتا ہے اور ضار کو نافع خیال کرتا ہے، اسی بیماری سے آقائے نامدار حضرت سید الاولین والآخرین ﷺ نے پناہ مانگی ہے اور دعا فرمائی ہے کہ

''اَللّٰھُمَّ اَرِنَاالْحَقَّ حَقاً وَّارْزُقْنَا اتِّبَاعَهٗ وَاَرِنَاالْبَاطِلَ بَاطِلاً وَّارْزُقْنَا اجْتِنَابَهٗ'' (اے اللہ! ہمیں حق کو حق دکھایئے اور اس کی اتباع کی توفیق مرحمت فرمایئے اور باطل کو باطل ہی دکھایئے اور اس سے بچنے کی توفیق دیجئے۔

اور دوسرا فساد، دل کی قوتِ ارادہ میں پیدا ہو جاتا ہے جس سے قوتِ ارادہ ضعیف و کمزور ہو کر طاعت وعبادت، نیکی وبھلائی کی طرف نہیں چلتا اور اس کے برعکس اس بات کو پسند کرتا ہے کہ شہوات ولذات فانیہ اور برائیوں اور خبائث کی طرف چلے۔ جیسے بیمار آدمی کا حال ہوتا ہے کہ نقصان دہ چیزوں کی طرف راغب ہوتا ہے۔

❁ فسادِ قلبی سے شیطانیت، حیوانیت و درندگی پیدا ہوتی ہے:

یہیں سے ایک اہم بات یہ سمجھنا چاہئے کہ اس فسادِ قلبی کی وجہ سے انسان میں

(۱) ترجمہ از بیان القرآن

شیطانیت، حیوانیت و درندگی کے اوصاف پیدا ہو جاتے ہیں، اس کی تفصیل یہ ہے کہ فسادِ قلبی جس کا ذکر اوپر ہوا ہے دراصل ایک بے اعتدالی کا نام ہے۔ جیسے جسمانی فساد بھی دراصل بے اعتدالی کا نتیجہ ہوتا ہے جب کہ اخلاطِ اربعہ (خون، بلغم، صفراء، سوداء) میں بے اعتدالی پیدا ہوتی ہے تو اس سے بیماریاں جنم لیتی ہیں۔

اسی طرح یہ فسادِ قلبی بھی بے اعتدالی کا نتیجہ ہے جو انسان کی قوت عقلیہ اور قوت غضبیہ اور قوت شہویہ میں بے اعتدالی پیدا کرتی ہے، اور ساری برائیاں یہیں سے جنم لیتی ہیں، جب قوت عقلیہ میں بے اعتدالی پیدا ہوتی ہے، اور وہ حد سے باہر ہوتی ہے تو انسان میں دھوکہ بازی، چالاکی و تلبیسی پیدا ہوتی ہے اور یہ شیطانی کام ہے، کیونکہ شیطان کا کام یہی ہے کہ دھوکہ اور فریب دہی اور تلبیس و ملمع سازی کرتا رہے اور انسان بھی عقل کے حد سے باہر ہونے سے زیادہ چالاکی اور چالبازی کے کام کرتا اور شیطانی افعال و حرکات کا مرتکب ہوتا ہے۔

اسی طرح جب قوت غضبیہ حدِ اعتدال سے نکلتی ہے تو انسان یا تو بزدلی اور جبن کا شکار ہو جاتا ہے، اگر قوت غضبیہ کم ہو گئی۔ یا انسان درندہ اور خون خوار جانور بن جاتا ہے، اگر قوتِ غضبیہ حد سے بڑھ گئی۔ چنانچہ جن کی قوت غضبیہ بڑھ جاتی ہے وہ موقعہ بے موقعہ غصہ سے مغلوب ہو جاتے اور قتل و غارت گری، ظلم و زیادتی کا ارتکاب کر بیٹھتے ہیں۔ یہی درندگی ہے۔

اور اگر قوت شہویہ حد سے نکلی تو انسان جانوروں کی طرح صرف کھانے پینے اور شہوات و لذات کے پورا کرنے میں لگا رہے گا، جیسے جانوروں کی حالت ہوتی ہے، اس طرح انسان میں شیطانیت، حیوانیت اور درندگی کی خصلتیں اور خو بو پیدا ہو کر بے شمار بیماریوں اور خبائث کا وہ مجموعہ بن جاتا ہے۔

۞ شیطانیت سے پیدا ہونے والی برائیاں:

مثلاً شیطانیت جس میں ہوگی تو اس سے اس میں مکاری، عیاری، چالبازی،

دھوکہ دہی، حیلہ بازی، آپس میں لڑا دینا، عداوت و بغض ڈالنا، کینہ اور حقد پیدا کرنا، چغل خوری کرنا، خیانت کرنا وغیرہ امراض و بیماریاں پیدا ہوتی ہیں۔ جن کا حرام و ناجائز ہونا کس پر مخفی ہوگا؟

حیوانیت سے پیدا ہونے والی برائیاں:

اور حیوانیت جو نام ہے قوت شہوانیہ کی بے اعتدالی کا، اس سے بھی بہت سی برائیاں جنم لیتی ہیں، جیسے اسراف و تبذیر، حرص و لالچ، بے حیائی و بے شرمی، خباثت و پردہ دری، عبث و فضول کاری، چاپلوسی و تملق، حسد و حقد وغیرہ۔

درندگی کے کارنامے:

اور درندگی سے جو برائیاں جنم لیتی ہیں اور کارنامے انجام پاتے ہیں، ان میں سے بعض یہ ہیں۔ تکبر و بڑائی، نڈرپن و بے خوفی، عجب و خود پسندی، دوسروں کا استہزاء و استخفاف، ظلم و زیادتی، ڈینگ مارنا، گالم گلوچ کرنا، لوگوں کی بے عزتی کرنا وغیرہ۔

اصلاحِ قلب اور اس کی برکت:

یہ تو ہوا دل کا فساد اور خرابی، جو بہت ساری خرابیوں اور بیماریوں کا سبب و باعث بنتی ہے، لیکن اگر اس دل کی اصلاح و علاج ہو جائے اور اس میں اعتدال پیدا کر کے اس کو شیطانیت و حیوانیت و درندگی سے بچا لیا جائے تو وہ ملکوتی صفات سے متصف ہو کر ایک لطیفۂ ربانی بن جاتا ہے۔

جب قلب ربّانی و ملکوتی صفات سے متصف ہو جاتا ہے تو اس کے اندر علم و حکمت، یقین و ایمان، عفت و عصمت، زہد و قناعت، ورع و تقویٰ، شرم و حیاء، شرافت و نجابت، صبر و حلم، شجاعت و بہادری، رحم و کرم، شفقت و رحمت، عفو و درگذر، جود و سخاوت، تواضع و انکساری وغیرہ وغیرہ اوصاف و کمالات پیدا ہو جاتے ہیں،

اور یہ اوصاف قلب کی حیات وصحت کی علامت ہیں، جس طرح اوپر کی خرابیاں دل کے مریض ہونے کی علامت ہیں۔

ایک حدیث کی تشریح:

اس تفصیل سے یہ بات اچھی طرح واضح ہوگئی کہ دل کا صلاح وفساد، اعضاء وجوارح کے صلاح وفساد کا سبب بنتا ہے، اس لیے دل کی اصلاح بہت ہی مہتم بالشان کام اور نہایت ضروری واہم ہے، چنانچہ حدیث بھی اسی سلسلہ میں وارد ہوئی ہے:

"اَلاَ اِنَّ فِیْ الْجَسَدِ مُضْغَةً اِذَا صَلُحَتْ صَلُحَ الْجَسَدُ کُلُّهٗ وَاِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ کُلُّهٗ، اَلاَ وَهِیَ الْقَلْبُ". (۱)

(ترجمہ: خبردار کہ بلاشبہ جسم میں گوشت کا ایک لوتھڑا ہے، جب وہ سنور جاتا ہے تو پورا جسم سنور جاتا ہے اور جب وہ بگڑ جاتا ہے تو سارا جسم بگڑ جاتا ہے۔ اور ہاں وہ دل ہے۔)

اس حدیث کی شرح میں علامہ نوویؒ فرماتے ہیں کہ مضغہ، گوشت کے ٹکڑے کو کہتے ہیں۔ گوشت کے ٹکڑے کو مضغہ اس لیے کہتے ہیں کہ وہ چھوٹا ہونے کی وجہ سے منہ میں چبایا جاسکتا ہے (اور مضغ کے معنی چبانے کے ہیں) علماء فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے مقصود دل کا بنسبت باقی جسم کے چھوٹا ہونا بیان کرنا ہے، حالانکہ جسم کا صلاح وفساد، دل کے تابع ہے۔ اس حدیث میں دل کی اصلاح کے سلسلہ میں سعی وکوشش کی تاکید ہے۔ (۲)

مشہور محدث علامہ عبدالرؤف المنادي علیہ الرحمۃ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں:

جس میں ایک لوتھڑا ہے، جب وہ ہدایت سے درست ہوتا ہے تو سارا جسم

(۱) بخاری: ۱۳/۱، مسلم: ۲۸/۲ (۲) شرح مسلم: ۲۸/۲

سدھر جاتا ہے ،یعنی اعضاء طاعت ونیکی میں استعمال ہوتے ہیں اور جب وہ لوتھڑا خراب ہوجاتا ہے ،یعنی ضلالت وگمراہی سے خراب ہوجاتا ہے تو پورا جسم فاسد ہوجاتا ہے۔اس طرح کہ منکرات میں اعضاء کواستعمال کرتا ہےاور وہ لوتھڑا دل ہے کیونکہ وہ بدنی حرکات اورنفسانی ارادوں کا مبدأ ہے۔اگر دل سے نیک ارادہ صادر ہوتا ہےتو بدن بھی صالح حرکت سے متحرک ہوتا ہےاوراگر دل سے فاسدارادہ صادر ہوتا ہےتو بدن بھی فاسدحرکت سے متحرک ہوتا ہے، پس دل بادشاہ ہےاوراعضاء اس کی رعیت ،اس لیے بادشاہ کے صلاح سے یہ اعضاء بھی صالح ہوتے ہیں ۔ اوراس کےفساد سے فاسد ہوتے ہیں۔(۱)

ملاعلی قاریؒ شرح مشکوۃ شریف میں اس حدیث کی شرح کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

”فعلى المكلف أن يقبل عليهاويمنعها عن الانهماك في الشهوات حتى لايبادرإلى الشبهات ولايستعمل جوارحه باقتراف المحرمات“.

(یعنی مکلّف انسان پرضروری ہے کہ وہ دل پرتوجہ کرےاوراس کوشہوات میں انہماک سے روکے تاکہ وہ شبہات کی طرف نہ بڑھےاوراپنے اعضاء کومحرمات کے کےارتکاب میں استعمال نہ کرے۔(۲)

ان تمام علماء وائمہ کی عبارات سے معلوم ہوا کہ جسم اوراعضاءجسم کے سدھار وبگاڑ میں اصل اور بنیادی کردار قلب کاہوتاہے، وہ اگرصلاح سے آراستہ ہو، ایمانی ایقانی وعرفانی انوار سے معمور ومنور ہوتو سارے اعضاء وجوارح ، طاعت وعبادت نیکی وبھلائی اورتقویٰ وطہارت سے معمور ہوں گے اوراگر وہ فساد سے ملوث ہوکر

(۱) فیض القدیر للمناوي: ۳/۴۲۴ (۲) مرقات شرح مشکوۃ:۶/۳۷

ضلالت و جہالت کی اندھیریوں میں بھٹک جائے تو اعضاء و جوارح بھی برائی و گمراہی کے دلدل میں پھنس جاتے ہیں۔

قلبی امراض، جسمانی امراض سے زیادہ خطرناک

اس لیے قلبی امراض و بیماریاں، جسمانی امراض و بیماریوں سے زیادہ شدید وخطرناک ہوتے ہیں، اسی لیے علامہ ابن تیمیہؒ نے فرمایا:

''فله موت ومرض وحياة وشفاء، وحياته وموته ومرضه وشفاءه اعظم من حياة البدن وموته ومرضه وشفائِه۔''(۱)

(یعنی قلب کی بھی موت وحیات، مرض وشفا ہوتی ہے، اوردل کی حیات وموت اورمرض وشفاء بدن کی حیات وموت اورمرض وشفاء سے عظیم الشان ہے۔

مطلب یہ کہ دل کی حیات وشفاء، بدن کی حیات وشفاء سے اعلیٰ وافضل ہے اوردل کی موت ومرض، بدن کی موت وبیماری سے زیادہ خطرناک ہے، اس لیے اس کی زیادہ فکر کرنا چاہئے۔ مگر ہم لوگوں کی یہ حالت یہ ہے کہ جسمانی بیماری ہوجائے تو ہم بہت پریشان ہوتے اورمعالجوں کے پاس دوڑتے اورروپیہ پیسہ خرچ کرکے اس کا علاج کرواتے ہیں، لیکن جب دل بیمار ہوتا ہے اور وہ خدا کی نافرمانی ومعصیت کا مرتکب ہوتا ہے، طاعت وعبادت سے بھاگتا ہے، شر وفساد کی طرف لپکتا ہے خیر وبھلائی کی باتوں سے دور ہوتا ہے، قساوت وشقاوت کے کام کرتا ہے اوررحمت وشفقت، ہمدردی وغمخواری کے جذبات سے خالی وعاری ہوجاتا ہے تو ہم کو اس کی کوئی فکر نہیں ہوتی، کوئی پریشانی کا احساس نہیں ہوتا، اور ہم صحت مندوں کی طرح پورے طور پر مطمئن ہوتے ہیں، گویا کہ ہم کو کچھ ہوا ہی نہیں، یہ بڑی خطرناک بات

(۱) فتاویٰ ابن تیمیہ: ۱۰/۹۴

ہے، کیونکہ بیمار اپنے آپ کو صحت مند سمجھ کر مطمئن رہے تو بیماری میں اور اضافہ ہوگا اور خطرہ لاحق ہوگا۔

اصلاح قلب کی اہمیت:

پھر اصلاح قلب کی اہمیت اس لحاظ سے بھی ہے کہ قلب وہ مقام ہے جو اللہ تعالیٰ کی تجلیات کا مہبط اور انوار کا مسکن قرار دیا گیا ہے۔

ایک حدیث میں آیا ہے:

"إِنَّ لِلّٰهِ آنِيَةً مِنْ أَهْلِ الْاَرْضِ، وَآنِيَةُ رَبِّكُمْ قُلُوْبُ عِبَادِهِ الصَّالِحِيْنَ وَاَحَبُّهَا إِلَيْهِ أَلْيَنُهَا وَأَرَقُّهَا".

(ترجمہ: بلاشبہ اللہ کے لیے اہلِ زمین کے برتن ہیں اور تمہارے رب کے برتن، اس کے نیک بندوں کے قلوب ہیں۔ اور اس کے نزدیک پسندیدہ قلوب وہ ہیں جو نرمی و رقّت والے ہیں) (۱)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قلب وہ مقام ہے جہاں اللہ تعالیٰ کی تجلیات و انوار کا ظرف بنتا ہے، اور یاد رہے کہ اس قسم کی احادیث سے نعوذ باللہ یہ مراد نہیں کہ اللہ تعالیٰ دل میں سماجاتا ہے۔ یہ عقیدہ اہل سنت والجماعت کے عقیدہ کے خلاف اور باطل ہے۔ مثلاً ایک حدیث ان الفاظ سے آئی ہے کہ:

"مَاوَسِعَنِيْ سَمَائِيْ وَلاَ اَرْضِيْ وَلٰكِنْ وَسِعَنِيْ قَلْبُ عَبْدِيَ الْمُؤْمِنِ"

---

(۱) علامہ سخاویؒ و علامہ عراقیؒ نے طبرانی کے حوالہ سے اس حدیث کی تشریح کر کے فرمایا ہے کہ اس کی سند میں بقیۃ بن الولید ہے اور وہ مدلس ہے، لیکن اس حدیث میں انہوں نے تحدیث کی صراحت کی ہے۔ (المقاصد الحسنۃ: ۴۳۹، تخریج الاحیاء للعراقی: ۱۵/۳) یہ معلوم ہے کہ مدلّس اگر تحدیث کی صراحت کر دے تو اس کی حدیث قابل قبول ہوتی ہے اور ان حضرات کا اس حدیث پر کوئی اور اشکال نہ کرنا اس کے قابل احتجاج ہونے کی دلیل ہے۔

(ترجمہ: میں نہ میرے آسمان میں سما سکتا ہوں نہ میری زمین میں سما سکتا ہوں لیکن میں میرے مومن بندہ کے دل میں سما سکتا ہوں)

محدثین کے نزدیک یہ حدیث ثابت نہیں ہے، اور اگر یہ کسی کا قول ہے تو علامہ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ اس کا معنی یہ ہے کہ بندۂ مومن کے دل میری محبت ومعرفت سما جاتی ہے۔(۱)

غرض یہ کہ اس قسم کی احادیث یا اقوال سے یہ مقصود ہے کہ دل اللہ کی تجلیات وانوار اور معرفت ومحبت کا گھر ہے۔

بہر حال اس سے دل کا مقام ومرتبہ واضح ہوگیا، جب یہ واضح ہوگیا تو یہ بات خود بخود معلوم ہوگئی کہ قلب کی اصلاح وتزکیہ انتہائی ضروری ہے تاکہ وہ معرفت ومحبتِ الٰہیہ کا مسکن بن سکے، اور اس میں کوئی گندگی وپلیدی، روگ وبیماری نہ ہو، ظاہر ہے کہ وہی قلب خدائی محبت والٰہی معرفت کا گھر بن سکتا ہے جو گندگی وآلائش سے پاک ہو، اور دل کی گندگی وہی روحانی قلبی بیماری ہے جس کا اوپر سے ذکر چلا آرہا ہے، اس لیے قلب کا تزکیہ واصلاح ضروری بلکہ اشد ضروری ہے۔

۞ اصلاحِ قلب کا طریق

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ قلب کو ان بیماریوں اور برائیوں، گندگیوں اور پلیدیوں سے پاک وصاف کرنے کا طریقہ کیا ہے؟

اس کا اجمالی جواب یہ ہے کہ قرآن پاک اور حدیث شریف میں دل کی پاکی وصفائی کا طریقہ مذکور ہے، اس کے مطابق قلب کی اصلاح کرنا چاہئے، اسی لیے قرآن کریم نے اپنے بارے میں فرمایا کہ وہ ﴿شِفَاءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ﴾ ہے۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے:

---

(۱) فتاوی ابن تیمیہؒ: ۱۸/۱۲۲

﴿یآاَیُّهَاالنَّاسُ قَدْ جَاءَ کُمْ مَوْعِظَةٌ مِنْ رَّبِّکُمْ وَشِفَاءٌ لِّمَافِیْ الصُّدُوْرِ وَهُدیً وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُوْمِنِیْنَ﴾. (یونس:۵۷)

(ترجمہ: اے لوگو! تحقیق کہ تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نصیحت اور دلوں کی بیماریوں کے لیے شفاء اور مومنین کے لیے ہدایت ورحمت آچکی ہے۔

اس میں ﴿شِفَاءٌلِّمَافِیْ الصُّدُوْرِ﴾ جوآیا اس کی تفسیر میں اکثر مفسرین نے لکھا ہے کہ اس سے مراد شرک، نفاق وشک، جہل و لاعلمی ہے کہ قرآن ان سب امراضِ قلبیہ کے لیے شفاء ہے۔

علامہ آلوسیؒ فرماتے ہیں کہ قرآن شفا دیتا ہے، ان بیماریوں سے جو ہلاکت تک پہنچانے والے ہیں، جیسے جہالت، شک، شرک، نفاق وغیرہ۔(۱)

اسی طرح علامہ اسماعیل حقیؒ نے روح البیان میں لکھا ہے کہ قرآن امراضِ قلوب جیسے جہل، شک، شرک، نفاق وغیرہ عقائدِ فاسدہ سے شفا دیتا ہے۔(۲)

غرض یہ کہ قرآن پاک، قلبی امراض کے لیے شفاء ودواء ہے، اسی طرح حدیث پاک بھی دواء وشفا ہے، اس طور پر کہ ان میں بیان فرمودہ احکامات وتعلیمات، ہدایات وتلقینات پر عمل کرنے سے یہ امراض دفع وزائل ہوتے اور انسان کا قلب صحت مند ودرست ہوجاتا ہے۔ لہٰذا اصلاحِ قلب کا اجمالی طریقہ یہ ہے کہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ پر عمل پیرا ہوا جائے۔ چنانچہ ایک حدیث میں اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

"تَرَکْتُ فِیْکُمْ أَمْرَیْنِ لَنْ تَضِلُّوْا مَاتَمَسَّکْتُمْ بِهِمَا کِتَابُ اللّٰهِ وَسُنَّةُ رَسُوْلِهٖ"(۳)

(ترجمہ: میں نے تم میں دو چیزیں چھوڑی ہیں، جب تک تم ان کو تھامے رہو گے گمراہ نہ ہوگے، ایک کتاب اللہ، دوسرے اس کے رسول کی سنت)

(۱) روح المعانی: ۱۳۹/۱۱ (۲) روح البیان: ۵۴/۴ (۳) مشکوٰۃ: ۳۱

یہ حدیث عام ہے جوانسان کے تمام حالات ومعاملات اورتمام حرکات وسکنات اورتمام اعمال وافعال سب کوشامل ہے۔لہٰذا جس طرح اعمالِ ظاہرہ متعلق بہ اعضاء وجوارح کوشامل ہوگی،اسی طرح اعمالِ باطنہ متعلق بہ قلب وروح کوبھی عام وشامل ہوگی، حاصل یہ ہوا کہ تمام معاملات میں قرآن وسنت کی ہدایت کے مطابق جوکام کرے گا وہ ہی صحیح ہوگا۔ ورنہ گمراہی میں پھنس جائے گااور اس میں اصلاحِ قلب کے متعلق ہدایات وتعلیمات بھی داخل ہیں۔

تفصیلی جواب:

اوراس سوال کاتفصیلی جواب یہ ہے کہ کتاب اللہ وسنت رسول اللہ میں روح وقلب کی بیماریوں کا جوذکرآیاہےاوران کاعلاج بتایا گیاہے،پھرحضرات علماءوصوفیاء نے جواس موضوع پرتحقیق کرکےقرآنی وحدیثی ہدایات کومشرح ومفصل کیاہے،ان کوکسی اللہ والے سے برتناسیکھےاورایک ایک اپنی روحانی وقلبی بیماری کاعملی طورپر علاج کرائے، کیونکہ کسی چیز کےصرف جان لینے، پڑھ لینے یاسن لینے اورسمجھ لینے سے بیماری کاعلاج نہیں ہوتا بلکہ علاج توڈاکٹر کی ہدایات پرعمل کرنے سے ہوتاہے۔

مثلاً کسی کوملیریا بخارہوجائے اوروہ ملیریا بخارکےمتعلق ڈاکٹروں کے لکھے ہوئے بلندپایہ مضامین بشوق ورغبت مطالعہ کرے اوران کوخوب اچھی طرح سمجھ لے، یاکسی ڈاکٹر سےملیریا بخار پرکوئی لکچرسن لےتو ظاہرہے کہ اس کا بخارختم نہ ہوگا۔ بلکہ ہوسکتاہے کہ اور بڑھ جائے۔ہاں وہ ڈاکٹر کی تجاویزوہدایات پر بلاکم وکاست عمل کرےتوضروراس کوفائدہ ہوگااور بخاراترجائےگا۔

اسی طرح روحانی وقلبی امراض کوبھی سمجھ لیناچاہئے کہ جب ہدایات وتعلیمات قرآنی ونبوی پرعمل ہوگااوراصول وقواعد کےمطابق عمل ہوگا توضرورفائدہ ہوگااوریہ روحانی امراض دفع وزائل ہوجائیں گے۔

مگر جیسا کہ اوپر اشارہ کیا گیا، یہ کام کسی اللہ والے کی نگرانی وسرپرستی میں ہونا چاہیئے کیونکہ ہر ایک کو ان ہدایات پر از خود عمل کرنے کا سلیقہ نہیں ہوتا۔ پھر نفس بڑا چالاک وچالباز ہوتا ہے۔ کبھی ایک برائی وبیماری سے ہٹتے ہی دوسری میں مبتلا کر دیتا ہے اور کبھی بیماری کو صحت مندی کے لباس میں دکھاتا ہے، لہٰذا کسی رہبر ومصلح کی نگرانی اور سرپرستی میں اصلاحِ قلب کا کام ہو تو یہ خطرہ نہیں رہتا (اس کی تفصیل آگے آرہی ہے) الغرض اصلاحِ قلب کے لیے عملی طور پر کچھ کرنے کا بیڑہ اٹھانا چاہیئے۔

مجاہدہ کی ضرورت:

اسی عملی جدوجہد اور اصلاحی کوشش کا نام مجاہدہ ہے، جس کا ذکر قرآن اور حدیث اور علماء وصوفیاء کے کلام میں پایا جاتا ہے۔ قرآن کریم میں ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَإِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ﴾

(ترجمہ: اور جو لوگ ہمارے راستہ میں مجاہدہ کرتے ہیں ہم ان کے لیے ہمارے راستے کھول دیتے ہیں اور بے شک اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کے ساتھ ہے)۔

روح البیان میں ہے کہ اس آیت میں مجاہدہ کو مطلقاً ذکر فرمایا ہے تاکہ ظاہری دشمنوں اور باطنی دشمنوں دونوں سے جہاد کو عام رہے۔ ظاہری دشمنوں سے جہاد جیسے کفار محاربین سے جہاد ہے۔ اور باطنی دشمنوں سے جہاد جیسے نفس اور شیطان سے جہاد ہے۔ (۱)

نیز علامہ محمود آلوسیؒ اپنی تفسیر ''روح المعانی'' میں رقمطراز ہیں:

''**واطلقت المجاهدة لتعلم مجاهدة الأعادي الظاهرة والباطنة بأنواعهما**'' (مجاہدہ کو (آیت میں) مطلقاً ذکر کیا گیا تاکہ ظاہری وباطنی تمام دشمنوں کو ان کی اقسام کے ساتھ شامل ہو جائے۔ (۲)

(۱) روح البیان ۶/۴۹۷ (۲) روح البیان: ۱۴/۲۱

معلوم ہوا کہ آیت میں صرف قتال مع الکفار مراد نہیں ہے، بلکہ یہ بھی مراد ہے اوراس کے ساتھ جہاد مع النفس بھی مراد ہے۔

اور امام ترمذیؒ اور ابن حبانؒ نے حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ سے حدیث روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ''اَلْمُجَاهِدُمَنْ جَاهَدَ نَفْسَهٗ فِي اللّٰهِ'' یعنی مجاہد وہ ہے جو اللہ کی خاطر اپنے نفس سے جہاد کرے۔

علامہ سیوطی نے ''الجامع الصغیر'' میں اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے اور علامہ مناویؒ نے لکھا کہ علامہ علائی محدث نے فرمایا کہ حدیث حسن ہے اور اس کی سند جید ہے۔اس حدیث میں مجاہد کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا گیا کہ مجاہد وہ ہے جو اللہ کے راستہ میں اپنے نفس سے جہاد کرے۔علامہ مناویؒ فرماتے ہیں کہ نفس سے جہاد باہر کے دشمن (کفار) سے جہاد کی اصل ہے، کیونکہ جو شخص اپنے نفس سے جہاد نہ کیا ہوتا کہ وہ حکم خدا کی اتباع کرے اور منہیات کو چھوڑ دے تو اس کے لیے خارجی دشمن سے جہاد ممکن نہیں، اور اس کے دشمن سے جہاد و مقابلہ اس کے لیے کیسے ممکن ہے جبکہ اس کا دشمن اس کے بازو میں ہے جو اس پر مسلط ہے؟(۱)

غرض یہ کہ اپنے نفس کی لذات وخواہشات کا مقابلہ کرکے اس کو اطاعت خداوندی پر لگانا اور محرمات سے پرہیز کا خوگر بنانا، بہت بڑا جہاد ہے، اسی کو مجاہدہ سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔

❁ مجاہدہ کیوں؟

رہا یہ سوال کہ مجاہدہ کیوں ضروری ہے؟ اور یہ کہ اس سے فائدہ ونفع کیا ہے؟ اس کا سمجھنا بھی ضروری ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اعمالِ صالحہ کی بجا آوری اور اعمالِ فاسدہ سے اجتناب

(۱) فیض القدیر:۶/۲۶۲

وپرہیز چونکہ نفس وطبیعت کے خلاف ہے، اس لیے نفس ہمیشہ اس سلسلہ میں منازعت ومقابلہ کرتا ہے اور نیکی وصلاح سے روکنے اور شہوات ولذات میں ملوث کرنے کی فکر کرتا ہے جیسے قرآن کریم میں حضرت یوسف علیہ السلام کا قول مذکور ہے کہ:

﴿إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوْءِ﴾ (یوسف:۵۳)

(یعنی بلاشبہ نفس بہت زیادہ برائی کا حکم دینے والا ہے)

اس لیے نفس کے خلاف اعمالِ صالحہ کی بجا آوری اوران پر پابندی اوراعمال واخلاقِ فاسدہ سے اجتناب وپرہیز ایک مجاہدہ چاہتا ہے تاکہ نفس اپنی روش سے باز آجائے حتیٰ کہ وہ امّارہ سے مطمئنہ ہوجائے اور یہ کام بغیر مجاہدہ کے نہیں ہوسکتا؛ اس سے مجاہدہ کا نفع بھی معلوم ہوگیا کہ یہ خوگرلذات وشہوات، مجاہدہ کی وجہ سے طاعت وعبادت اورصلاح وتقویٰ کا عادی ہوجاتا ہے۔

ایک عمدہ مثال:

اگرنفس کواس کی مرضی پر چلنے سے نہ روکا جائے اورمجاہدہ کی بھٹی میں اس کوتپایا نہ جائے تو اس کی برائی وشرارت ختم نہیں ہوتی۔ علامہ بوصیریؒ ایک بزرگ گذرے ہیں، انہوں نے ایک عجیب قصیدہ، رسول اللہ ﷺ کی شان میں لکھا ہے؛ اس میں انہوں نے نفس کی ایک عمدہ مثال دی ہے؛ ان کا شعر ہے ؎

وَالنَّفْسُ كَاالطِّفْلِ إِنْ تُهْمِلْهُ شَبَّ عَلىٰ
حُبِّ الرَّضَاعِ وَ إِنْ تَفْطِمْهُ يَنْفَطِمِ

محترم فیاض الدین نظامی نے اس کا منظوم ترجمہ اس طرح کیا ہے ؎

نفس کی ہیں عادتیں مانندِ طفل شیر خوار
دودھ پیتا جائے گا جب تک چھڑائیں گے نہ ہم (۱)

(۱) نفح الوردة فی شرح البردة:۱۷

حاصلِ شعر یہ ہے کہ نفس کو جب تک اس کی خواہشات سے نہ روکیں گے، اس وقت تک وہ گناہوں اور لذات وشہوات میں انہاک سے باز نہیں آتا جیسے شیر خوار بچہ جو ماں کی چھاتیوں سے دودھ پیتا ہے، اس کو اگر دودھ نہ چھڑائیں تو وہ کبھی دودھ نہیں چھوڑے گا بلکہ پیتا ہی چلا جائے گا حتیٰ کہ بڑا ہو کر بھی اس سے باز آنا مشکل ہوگا؛ اس لیے بچہ کا دودھ بجبر واکراہ چھڑایا جاتا ہے اور اس کے رونے، چیخنے، چلانے، واویلا مچانے پر کوئی توجہ نہیں دی جاتی، بلکہ صبر کر کے اس کو سنبھالا جاتا ہے۔ تب کہیں جا کر بچہ دودھ چھوڑتا ہے اور ایسا چھوڑتا ہے کہ پھر اس کی طرف توجہ بھی نہیں کرتا بلکہ ماں کا دودھ پینے سے نفرت کرنے لگتا ہے۔ یہی حال نفس کا ہے اس کو خواہشات ولذات سے جب تک چھڑائیں گے نہیں، وہ ان کو نہیں چھوڑ سکتا؛ اس لیے مجاہدہ کراتے ہوئے اس کو اس کی لذات وخواہشات سے دور رکھا جائے۔ جب یہ مجاہدہ ہوگا تو پھر وہ ان کو چھوڑ دے گا، بلکہ ان سے نفرت کرنے لگے گا۔

ایک عام غلط فہمی کا ازالہ:

یہیں سے ان لوگوں کی غلط فہمی ظاہر ہوگئی جو نفس کی خواہشات کو بلا کسی قید وشرط پورا کر کے یہ خیال کرتے ہیں کہ جب نفس کو اس کی خواہش کی چیز مل جائے گی تو وہ اس کی طلب میں سرد پڑ جائے گا اور پھر مطالبہ وتقاضا نہ کرے گا۔ یہ خیال عام تجربات ومشاہدات کے خلاف ہے۔ علامہ بوصیریؒ نے اپنے قصیدہ میں نفس کی چالبازیوں پر کلام کرتے ہوئے فرمایا کہ ؎

فَلَا تَرُمْ بِالْمعَاصِيْ کَسْرَ شَهْوَتِهَا

إنّ الطَّعَامَ يُقَوِّيْ شَهْوَةَ النَهِمِ

فیاض الدین نظامی اپنے منظوم ترجمہ میں اس کا ترجمہ یوں کرتے ہیں ؎

نفس کی خواہش گناہوں سے نہیں ہوتی دور

جس طرح جوع البقر میں پُر نہیں ہوتا شکم

یعنی نفس امارہ کی مثال ایسی ہے جیسے جوع البقر کا مریض کہ جس طرح پانی پینے اور کھانا کھانے سے اس کا پیٹ بھرتا نہیں، بلکہ بھوک پیاس اور بڑھ جاتی ہے، اسی طرح نفس امارہ بھی گناہوں سے کبھی سیر نہیں ہوتا، بلکہ اور زیادہ اس کا طالب وعادی ہوجاتا ہے۔ اس لیے یہ گمان کرنا کہ نفس کو اس کی خواہش کی چیز دیدینے سے اس کا تقاضا ضعیف ہوجائے گا؛ صحیح نہیں ہے۔

غرض یہ کہ نفس کو مجاہدہ کی بھٹی میں ڈال کر جب تک تپایا نہ جائے، اور اس کی خواہشات ولذات اور مطالبوں اور تقاضوں پر پابندی نہ لگائی جائے، اس کی اصلاح نہیں ہوتی اور وہ نیکی وطاعت، عبادت وانابت کی خصوصیات سے متصف نہیں ہوسکتا؛ اس لیے مجاہدہ ضروری ہے۔

نفس کی تین قسمیں:

انسانی نفس اپنے احوال واوصاف کے لحاظ سے تین قسم پر ہے۔ ایک نفس امّارہ دوسرے نفس لوّامہ اور تیسرے نفس مطمئنّہ، چنانچہ قرآن مجید میں ان تینوں اقسامِ نفس کا ذکر آیا ہے۔ ایک جگہ فرمایا گیا:

﴿إِنَّ النَّفْسَ لأَمَّارَةٌ بِالسُّوْءِ﴾ (یوسف:۵۳)

(حضرت یوسفؑ نے فرمایا) بلاشبہ نفس امارۃ بالسوء (برائی کا بہت حکم دینے والا) ہے۔

اس میں نفس امارہ کا ذکر آیا ہے اور دوسرے مقام پر فرمایا گیا:

﴿وَلاَ أُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ﴾ (القیامۃ:۲)

(میں قسم کھاتا ہوں نفسِ لوّامہ کی)

اس آیت میں نفس لوّامہ کی قسم کھائی گئی ہے؛ معلوم ہوا کہ ایک نفس لوّامہ بھی ہوتا ہے۔ اور ایک جگہ نفسِ مطمئنہ کا تذکرہ اس طرح فرمایا ہے۔

﴿ یَآاَیَّتُھَاالنَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّۃُ. ارْجِعِیْ اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَۃً مَّرْضِیَّۃً﴾

(اے نفس مطمئنہ! اپنے رب کی طرف لوٹ جا، اس حال میں کہ تو اس سے راضی اور وہ تجھ سے راضی ہو)

اس جگہ نفس مطمئنہ کا ذکر فرمایا گیا ہے؛ غرض یہ کہ نفس تین قسم کا ہے، یہ اس کے احوال واوصاف کے لحاظ سے تقسیم ہے، نفس امارہ سے، نفس کو نفس مطمئنہ بنانا ہے؛ اس کے لیے مجاہدہ ہوتا ہے۔

نفس امارہ کیا ہے؟

نفس امارہ وہ ہے جو انسان کو برائی اور معصیت کا حکم دیتا ہے اور اس کا وسوسہ ڈال کر انسان کو اس میں ملوث کر دیتا ہے۔ علامہ آلوسیؒ نے فرمایا کہ

"نفسِ انسانی اپنی ذات کے لحاظ سے بہت زیادہ برائی کا حکم دیتا ہے۔"

اور مراد (نفس امارہ سے) یہ ہے کہ وہ شہوتوں اور لذتوں کی طرف بہت زیادہ میلان کرتا ہے اور اپنی قوتوں اور آلات کو ان کی تحصیل کے لیے استعمال کرتا ہے۔(۱)

اور تفسیر روح البیان میں ہے کہ:

"نفس امارہ قبائح ومعاصی کا حکم دیتا ہے، اس لیے کہ وہ باطل باتوں اور شہوتوں سے بہت زیادہ لذت پانے والا ہے اور مختلف قسم کے منکرات کی طرف بہت میلان کرنے والا ہے"۔(۲)

نفس لوّامہ کی تعریف:

رہا نفس لوامہ، تو اس کی تعریف یہ ہے کہ وہ گناہ وتقصیر ہو جانے پر اپنے آپ کو ملامت کرتا ہے، اور گناہوں پر پشیمان اور تقصیرات پر پریشان ہوتا ہے۔

---

(۱) روح المعانی: ۱۳/۱ (۲) روح البیان: ۴/۲۷۵

اس کی تائید حضرت عکرمہ کے قول سے ہوتی ہے کہ انہوں نے نفس لوامہ کے بارے میں فرمایا کہ وہ خیر وشر پر ملامت کرتا ہے کہ میں کاش ایسا کرتا، اے کاش میں ایسا کرتا۔(۱)

نیز حضرت مجاہدؒ نے فرمایا کہ یہ وہ نفس ہے جو اپنے اوپر ملامت کرتا ہے ان باتوں کے متعلق جو اس سے فوت ہوگئیں اور شر پر ندامت محسوس کرتا ہے کہ میں نے یہ کام کیوں کیا اور خیر پر ندامت محسوس کرتا ہے کہ میں نے اس کو کیوں نہ کیا یا اس میں زیادتی کیوں نہ کی۔(۲)

غرض یہ کہ نفس لوامہ وہ ہے جو برائی ہوجانے پر ندامت وپشیمانی میں مبتلا ہوتا ہے اور خیر میں تقصیر وکمی ہونے پر پریشان ہوتا ہے؛ تو گویا اس نفس کو امارہ ومطمئنہ دونوں کے بین بین درجہ حاصل ہے۔

نفس مطمئنہ کی حقیقت:

تیسرا نفس، نفس مطمئنہ ہے، جس کی تعریف میں حضرات صوفیاء کرام نے فرمایا:

یہ وہ ہے کہ جو نورِ قلب سے پورے طور پر منور ہوجائے حتی کہ صفاتِ مذمومہ سے الگ اور اخلاق حمیدہ سے متخلق ہوجائے اور طبعی منازعت سے سکون پا جائے (یعنی طبیعت وشریعت کے درمیان اس کا نفس جھگڑنے سے باز آجائے)(۳)

اس نفس کو نفس مطمئنہ کس وجہ سے کہا جاتا ہے؟ اس میں متعدد اقوال ہیں۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ نفس وصول اِلی اللہ سے قبل مضطرب رہتا ہے، جب وہ وصول اِلی اللہ کی دولت سے مالا مال ہوجاتا ہے تو اس کا یہ اضطراب ختم ہوکر اس کو اطمینان وسکون حاصل ہوجاتا ہے۔ لہٰذا اس کو نفس مطمئنہ کہا جاتا ہے۔

بعض علماء نے فرمایا کہ نفس جب واصل اِلی اللہ ہوتا اور یقین کے اعلی مرتبہ پر فائز ہوتا ہے تو اس کا نفس شک وریب کی بیماری سے پاک ہوتا ہے اور اس کو شرع

(۱) ابن کثیر: ۴/۴۴۸ (۲) روح المعانی: ۲۹/۱۵۶ (۳) روح المعانی: ۲۹/۱۵۶

کی ہر بات پر پوری طرح اطمینان ہو جاتا ہے، اس لیے اس کو نفس مطمئنہ کہتے ہیں۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ نفس مطمئنہ، ہر قسم کے خوف وحزن سے قیامت کے دن محفوظ و مامون ہوتا ہے، اس لیے اس کو نفس مطمئنہ کہتے ہیں۔

بہر حال یہ تیسری قسم کا نفس ہے، جو نفس مطمئنہ کہلاتا ہے، غرض نفس کو امّاریت سے نکال کر اطمینان کی کیفیت سے متصف کرنا ضروری ہے ؛ مجاہدہ اسی لیے کیا جاتا ہے۔

مجاہدہ اجمالی:

مجاہدہ دو طرح کا ہوتا ہے ایک اجمالی، ایک تفصیلی، مجاہدہ اجمالی یہ ہے کہ قلت کلام، قلت منام، قلت طعام اور قلت اختلاط مع الانام کا اپنے کو عادی بنائے، یہ مجاہدہ مقامات کے حصول کے لیے ضروری ہے۔ شیخ المشائخ عارف باللہ امام سہروردیؒ ''عوارف المعارف'' میں فرماتے ہیں کہ تمام مقامات چار میں مندرج ہیں۔ ایک ایمان ویقین، دوسرے توبۂ نصوح، تیسرے زہد، چوتھے دوام عمل کے ساتھ ظاہرا وباطناً، اعمال قلبیہ وقالبیہ کے ذریعہ بلا کسی قصور فتور کے مقامِ عبودیت، پھر چار مقامات کی تکمیل واتمام دوسری چار باتوں کی مدد سے متحقق ہوگی۔ اور وہ چار چیزیں یہ ہیں۔ قلتِ کلام، قلتِ طعام، قلتِ منام، اور لوگوں سے علیحدگی؛ علماء زاہدین اور مشائخ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ان چار باتوں سے ہی مقامات میں استقرار واستقامت اور احوال میں سدھار حاصل ہوتا ہے۔(۱)

اب مختصر طور پر ان چار امور پر روشنی ڈالی جاتی ہے تاکہ بصیرت حاصل ہو:

قلّتِ کلام: بات چیت اور گفتگو میں تقلیل وکمی بہت ضروری ہے؛ اس سے زبان قابو وقبضہ میں رہتی ہے اور بہت سی برائیوں اور خرابیوں اور بہت سے

---

(۱) عوارف المعارف:۸٦

معاصی اور گناہوں سے انسان بچ جاتا ہے، اس لیے حدیث میں ہے کہ جب حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا کہ نجات کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ:

"اَمْلِکْ عَلَیکَ لِسَانَکَ وَلْیَسَعْکَ بَیْتُکَ وَابْکِ عَلیٰ خَطِیْئَتِکَ". (۱)

(ترجمہ: اپنی زبان کو قابو میں رکھو۔ اپنے گھر میں پڑے رہو۔ اور اپنی خطاؤں پر روؤ)

نیز ارشاد نبوی ہے:

"مِنْ حُسْنِ إِسْلاَمِ الْمَرْءِ تَرْکُهُ مَالاَ یَعْنِیْهِ"(۲)

(ترجمہ: انسان کے کمال ااسلام میں سے یہ ہے کہ لایعنی فضول بات کو چھوڑ دے)

ایک اور حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ

"مَنْ صَمَتَ نَجاَ"(۳)

(ترجمہ: جو خاموش رہا وہ نجات پایا)

اس سلسلہ میں احادیث بہت ساری وارد ہوئی ہیں۔ یہ بطور نمونہ چند نقل ہوئیں، ان سے معلوم ہوا کہ آدمی کو زیادہ کلام کرنے سے بچنا چاہئے، خاموشی کی عادت ڈالنا چاہئے، بلا وجہ و بے ضرورت کلام سے پرہیز کرنا چاہئے۔

قلّت طعام: کھانے پینے میں کمی کرنا بھی ایک اہم مجاہدہ ہے، اور مومن کی شان یہی بتائی ہے کہ وہ کم کھاتا ہے بنسبت اس کے جو کفر میں مبتلا ہو، چنانچہ حدیث پاک میں آتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

"یَأْکُلُ الْمُسْلِمُ فِيْ مِعیً وَاحِدٍ وَالْکَافِرُ یَأْکُلُ فِيْ سَبْعَةِ أَمْعَاءٍ"(۴)

(ترجمہ: مسلمان ایک آنت میں کھاتا اور اور کافر سات آنتوں میں کھاتا ہے)

(۱) ریاض الصالحین: ۴۵۰ (۲) مشکوۃ: ۴۱۳ (۳) مشکوۃ: ۴۵۰ (۴) بخاری: ۸۱۲/۲

ایک اور حدیث میں فرمایا گیا کہ نبی کریم ﷺ نے ایک غلام خریدنے کا ارادہ فرمایا تو اس کے سامنے کچھ کھجور رکھے کہ وہ کھائے ۔ غلام نے بہت زیادہ کھایا تو آپ نے یہ کہہ کر غلام واپس کر دیا کہ ''إِنَّ كَثْرَةَ الْاَكْلِ شُوْمٌ'' کہ زیادہ کھانا نحوست ہے۔(۱)

ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''مَا مَلَأَ آدَمِيٌّ وِعَاءً شَرًّا مِنْ بَطْنٍ حَسبَ الآدَمِيَّ لُقُمَاتٌ يُقِمْنَ صُلْبَه'' (ترجمہ: اس پیٹ سے زیادہ برا کوئی برتن نہیں جو آدمی پُر کرے، آدمی کے لیے تو چند لقمے کافی ہیں جن سے اس کی کمر درست رہے)(۲)

ان تمام احادیث سے معلوم ہوا کہ کثرتِ اکل وحرصِ اکل کوئی اچھی چیز نہیں بلکہ بہت سی خرابیوں کی جڑ ہے،اس لیے اس میں تقلیل وکمی کرنا چاہئے ،مگر کمی کا مطلب یہ نہیں کہ آدمی بھوکا رہے،اورامراض کا شکار بنتا جائے ، بلکہ مراد یہ ہے کہ حد سے زیادہ نہ کھائے ۔ ہاں بقدر کفایت وضرورت کھانا برا نہیں ہے۔میرے مرشد اول حضرت مسیح الامت علیہ الرحمۃ نے اس سلسلہ میں جو فرمایا ہے وہ آپ ہی کے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیں۔

''سالک کو چاہئے کہ نہ اتنی تقلیل (کمی) کرے کہ صحت برباد ہو جائے اور نہ اتنی زیادتی ہو کہ حد سے زیادہ کھالے، بلکہ اوسط درجہ کا لحاظ رکھنا چاہئے ۔اصل طریقہ یہ ہے کہ جس وقت بھوک لگے اس وقت کھانا کھائے اور اتنا کھا کر رک جائے کہ چند لقمے کھانے کو اور جی چاہ رہا ہو''۔(۳)

قلّتِ منام: کم سونے سے مراد یہ ہے کہ رات کی نیند میں کمی کر کے رات کا ایک حصہ اللہ کی یاد ومناجات میں گذارے اور اس کی فضیلت قرآن وحدیث میں

(۱)مشکوۃ:۳۶۸ (۲)ابن ماجہ:۲۴۰ (۳)شریعت وتصوف:۱/۱۳۶

منصوص ہے۔ قرآن کریم میں فرمایا گیا: ﴿تَتَجَافیٰ جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفاً وَّطَعَماً﴾[السجدة: ١٦]

(ان (نیک بندوں) کے بازو، بستروں سے الگ رہتے ہیں، اس حال میں کہ وہ اپنے رب کو خوف سے اور ثواب کی امید سے پکارتے ہیں)

''پہلو کا بستر سے الگ رہنا'' محاورہ ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ سوتے نہیں، بلکہ جاگتے ہوئے اللہ کو پکارتے اور یاد کرتے ہیں۔

اور یہ کم سونا اس لیے ضروری ہے کہ حد سے زیادہ سونے سے طبیعت میں، برودت میں اضافہ ہوجاتا ہے، جس سے قوائے فکریہ کمزور ہوجاتے ہیں اور یہ بات دینی و دنیوی دونوں اعتبار سے نقصان دہ ہے، لیکن اس میں بھی یہ ملحوظ ہونا چاہئے کہ اعتدال وتوسط ہو، کہ نہ بہت زیادہ سونے کی عادت ڈالے اور نہ حد سے کم سوئے، بلکہ بقدر ضرورت سونا چاہئے؛ اور آج کل کے لحاظ سے بقول اطباء چھ سے سات گھنٹے اوسط درجہ ہے۔

اگر نیند کا غلبہ ہو تو ذکر وعبادت میں مشغول ہونے کے بجائے، سوجانا چاہئے۔ چنانچہ حدیث میں ارشادِ نبوی ہے کہ:

''إِذَا نَعِسَ اَحَدُكُمْ وَهُوَ يُصَلِّيْ فَلْيَرْقُدْحَتّٰى يَذْهَبَ عَنْهُ النَّوْمُ فَإِنّ أَحَدَكُمْ إِذَاصَليّٰ وَهُوَ نَاعِسٌ لاَ يَدْرِىْ لَعَلَّهُ يَذْهَبُ يَسْتَغْفِرُفَيَسُبُّ نَفْسَهٗ''. (١)

(ترجمہ: جب تم میں سے کوئی نماز کی حالت میں اونگھنے لگے تو وہ سوجائے حتیٰ کہ اس کی نیند چلی جائے کیوں کہ کوئی اونگھتے ہوئے نماز پڑھے گا تو ہوسکتا ہے کہ وہ استغفار کرنے کے بجائے اپنے کو گالی دینے لگے)

(١) ریاض الصالحین: ٦٨

غرض یہ کہ بقدر ضرورت سونا چاہئے، اور بے ضرورت خواہ مخواہ سوتے رہنا نقصان دہ ہے، اسی کو صوفیاء قلتِ منام سے تعبیر کرتے ہیں۔

قلّتِ اختلاط مع الانام: یعنی لوگوں سے میل جول اور تعلقات میں کمی کرنا، یہ بھی سالک کے لیے ضروری مجاہدہ ہے۔ پہلے یہ حدیث نقل کر چکا ہوں کہ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ کے سوال پر کہ نجات کیا ہے؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ زبان کو قابو میں رکھو اور اپنے گھر میں پڑے رہو، اور خطاؤں پر روؤ، اس حدیث میں گھر میں پڑے رہنے کا حکم اسی جانب اشارہ ہے کہ لوگوں سے زیادہ میل جول نہ کرو۔ ملا علی قاریؒ اس کی تشریح میں فرماتے ہیں:

''(مراد یہ ہے کہ) تو اپنے گھر میں رہے اور بلا ضرورت گھر سے نہ نکلے، اور گھر میں بیٹھے رہنے سے تنگ دل نہ ہو، بلکہ اس کو غنیمت جانے، کیونکہ یہ شرّ وفتنہ سے خلاصی کا سبب ہے؛ اسی لیے کہا گیا ہے: ''هٰذازَمَانُ السُّكُوْتِ، وَمُلاَزَمَةُ الْبُيُوتِ وَالْقَنَاعَةُ بِالْقُوْتِ إِلىٰ أَنْ يَمُوْتَ'' (یعنی یہ زمانہ سکوت کا اور گھروں میں پڑے رہنے کا اور بقدر ضرورت گذارہ پر قناعت کرنے کا زمانہ ہے، یہاں تک کہ موت ہو جائے)(۱)

غرض یہ کہ اگر کوئی خاص حاجت وضرورت، خواہ دینی حاجت وضرورت یا دنیوی حاجت وضرورت نہ ہو تو کسی سے ملنا جلنا نہ چاہئے؛ اس سے دینی ودنیوی دونوں قسم کے نقصانات ہوتے ہیں، کبھی غیبت یا چغلی وغیرہ گناہوں میں آدمی مبتلا ہو جاتا ہے، جس سے آخرت کا نقصان متیقن ہے اور کبھی خواہ مخواہ کی وقت گذاری سے دنیوی امور میں کوتاہی ہو کر اس کا نقصان ہوتا ہے۔

یہ ہے اجمالی مجاہدہ، جس کو مقامات کے حصول کے لیے ذریعہ وسبب اور اتمام

(۱) مرقات: ۱۵۰/۹

وتکمیل مراتب کے لیے لازم وضروری قرار دیا گیا؛ رہا تفصیلی مجاہدہ تو وہ دو بنیادوں پر ہوتا ہے۔ ایک اخلاق حمیدہ کی تحصیل پر، ایک اخلاق رذیلہ سے تنزیہ وتزکیہ پر؛ اوراس کی تفصیل اخلاق وتصوف کی بڑی کتابوں میں دیکھنا چاہئے۔ جیسے احیاء العلوم، کیمیائے سعادت، مدارج السالکین، منازل السائرین، قوت القلوب، رسالہ قشیریہ وغیرہ اوراردو میں حضرت تھانویؒ کی کتب، جیسے اصول الوصول، شریعت وطریقت، التکشّف، انفاس عیسیٰ، بصائرِ حکیم الامت، اورحضرت مسیح الامت کی کتاب شریعت وتصوف (جلداول ودوم) وغیرہ۔

اس مختصر تحریر میں اس تفصیل کی گنجائش نہیں، کیوں کہ اس رسالہ سے مقصود محض ترغیب ہے اس بات کی کہ اصلاحِ نفس کی فکر ہو۔ اس کے لیے بہت اختصار کے ساتھ چند امور پیش کے گئے ہیں۔

ضرورتِ شیخ:

مگر جیسا کہ ظاہر ہے، اصلاح قلب وتزکیۂ نفس کوئی ایسا معمولی کام نہیں کہ آدمی خود ہی کرلے یا کتب بینی سے حل ہوجائے، بلکہ اس کے لیے ایک شیخ کامل وماہر کی ضرورت ہوگی جس کی رہبری میں تزکیۂ نفس واصلاح قلب کا کام ہو، کیوں کہ یہ کام شیخ کی رہبری کے بغیر ہوگا تو اس میں نشیب وفراز کی جن منزلوں سے سابقہ پڑتا ہے، ان میں انسان ڈگمگا جاتا ہے، اور بہت سے لوگ رجعتِ قہقری کا شکار ہوجاتے ہیں اور بعض لوگ راہ سے بے راہ بھی ہوجاتے ہیں۔ اسی لیے عادۃ اللہ یہ رہی ہے کہ کتاب اللہ کے ساتھ رجال اللہ بھیجے گئے اور پھر انبیاء کے بعد ان کے نائبین کا سلسلہ قائم وجاری فرمایا گیا اور جس طرح دنیا میں ہر علم وفن کے لیے عادۃ اللہ یہی ہے کہ رہبر واستاذ کی ضرورت پڑتی ہے، اسی طرح یہ بھی ایک علم ہے اور ساتھ ساتھ فن بھی کہ آدمی اپنے قلب کو اخلاقِ حمیدہ سے آراستہ کرے، بعد اس کے

اندر سے اخلاق رزیلہ کو باہر نکالے اور دل کو معرفتِ الٰہیہ کے نور سے منور اور محبتِ خداوندی سے معمور کرے۔ اس لیے یہ بھی بغیر رہبر و شیخ کے حاصل نہیں ہوسکتا، لہٰذا اس ادارہ میں قدم رکھنے کا ارادہ ہو تو اولاً کسی شیخ کامل سے رابطہ کرنا چاہئے۔ ؎

گر ہوائے ایں سفر داری دلا ☆ دامن رہبر بگیر و پس بیا

بے رفیقے ہر کہ شد در راہِ عشق ☆ عمر بگذشت و نشد آگاہِ عشق

(یعنی: اے دل اگر اس سفر کی خواہش ہو تو رہبر کا دامن پکڑ اور اس کے پیچھے چل، کیونکہ جو بھی راہ عشق الٰہی میں بغیر رفیق و رہبر کے چلا، اس کی عمر گزر گئی مگر وہ عشق الٰہی سے آگاہ نہ ہوا۔

کسی نے اس سلسلہ میں یہ شعر بہت ہی عجیب کہا ہے ؎

ان سے ملنے کی ہے یہی ایک راہ ☆ ملنے والوں سے راہ پیدا کر

شیخ کامل کی پہچان:

مگر شیخ و پیر کون ہوتا ہے؟ اور اس کی پہچان کیا ہے؟ اس کا جان لینا بہت ضروری ہے، کیونکہ آج کل جاہل صوفیوں اور بے دین و ملحد قسم کے پیروں نے عوام الناس کو دھوکہ میں مبتلا کر دیا ہے، اور ہر قسم کی گمراہی و ضلالت، بے دینی و جہالت کا نام تصوف و معرفت رکھ کر لوگوں کو شریعت سے دور کرنے اور علماء حق سے بدظن کرنے کا پروگرام بنایا ہوا ہے، چنانچہ ایسے جاہل صوفی اور بے دین پیر، شریعت وطریقت کو دو الگ الگ خانوں میں بانٹ کر اس طرح دھوکہ دیتے ہیں کہ علماء شریعت والے ہیں اور ہم طریقت والے ہیں، نیز طریقت کو شریعت پر فوقیت دیتے ہیں اور اپنے مریدین کو بھی دور کھتے ہیں، اور محرمات کا ارتکاب کرتے اور ہر گمراہی کو روا رکھتے ہیں، اور ان میں ایک کثیر تعداد ان لوگوں کی ہے جو زنا، شراب، جوا، اختلاطِ مرد و زن وغیرہ سب کو حلال کیے ہوئے ہیں، معلوم ہونا چاہئے کہ یہ لوگ فاسق

وفاجر ہیں اور اگر ان محرمات کو حلال سمجھتے ہیں تو مرتد و کافر ہیں، ان سے اصلاح وتزکیہ کا کام کس طرح ہو سکے گا؟ یہ خود گمراہ ہیں دوسروں کی کیا رہبری کریں گے؟

لہٰذا یہاں جان لینا چاہئے کہ شیخ کی پہچان کیا ہے، حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے ''قصد السبیل'' میں فرمایا کہ:

''پیر کامل وہ ہے جس میں یہ باتیں ہوں (۱) ضرورت کے موافق دین کا علم ہو (۲) عقیدے، عمل اور عادتیں اس کی شرع کے موافق ہوں (۳) دنیا کی حرص نہ رکھتا ہو (۴) کسی پیر کامل کے پاس کچھ دنوں تک رہا ہو (۵) اس کے زمانے میں جو عالم اور درویش منصف مزاج ہوں، وہ اس کو اچھا جانتے ہوں (۶) عام لوگوں کی نسبت خاص لوگ یعنی جو سمجھدار اور دیندار ہیں وہ اس کے زیادہ معتقد ہوں (۷) اس کے مریدوں میں اکثر مرید شرع کے پابند ہوں اور ان کو دنیا کی طمع نہ ہو (۸) وہ پیر اپنے مریدوں کی تعلیم جی سے کرتا ہو، اور چاہتا ہو کہ یہ درست ہو جائیں اور اگر مریدوں میں کوئی بری بات دیکھتا ہو یا سنتا ہو تو ان کو روک ٹوک کرتا ہو، یہ نہ ہو کہ ہر ایک کو اس کی مرضی پر چھوڑ دے (۹) اس کے پاس چند روز بیٹھنے سے دنیا کی محبت میں کمی اور اللہ کی محبت میں زیادتی معلوم ہوتی ہو (۱۰) وہ خود بھی ذکر و شغل کرتا ہو۔ (۱)

اس کے بعد ایک ضروری بات پر حضرت تھانویؒ نے تنبیہ فرمائی ہے، کہتے ہیں کہ ''جس شخص میں یہ نشانیاں موجود ہوں تو پھر یہ نہ دیکھے کہ اس سے کرامت بھی ہوتی ہے یا نہیں، یا پوشیدہ یا آئندہ ہونے والی باتیں اس کو معلوم ہوتی ہیں یا نہیں، یا یہ جو دعا کرتا ہے وہ قبول ہوتی ہے یا نہیں، یا یہ اپنی باطنی قوت سے کچھ کام کر دیتا ہے یا نہیں، کیوں کہ یہ باتیں پیر و ولی کے لیے ہونا ضروری نہیں۔ (۲)

غرض یہ کہ شیخ و پیر ایک طرف علمِ شریعت سے آراستہ ہو تو دوسری طرف اس علم

(۱) تسہیل قصد السبیل: ۱۶ (۲) تسہیل قصد السبیل: ۱۶

کے موافق زندگی گذارتا ہو، اور مریدین کی تربیت کی اہلیت وصلاحیت رکھتا ہو، ایسے شخص کو اپنی اصلاح وتربیت کے لیے منتخب کر لینا چاہیے، اور اس انتخاب میں تلاش وجستجو سے کام لینا چاہیے۔ حضرت شیخ قطب الدین دمشقیؒ نے اپنے رسالہ مکیہ میں لکھا ہے کہ:

''مرید ہونے والے پر لازم ہے کہ شیخ کامل کی تلاش میں پوری کوشش کرے اور خوب جانچے کہ یہ شیخ شیخ بنانے کے قابل ہے یا نہیں، کیوں کہ بہتیرے طالب اس راستہ میں بد دینوں کا اتباع کر کے ہلاک ہو چکے ہیں۔''(۱)

شیخ سے استفادہ کا طریقہ:

جب خوب جانچ پڑتال کے بعد شیخ کا انتخاب کر چکے تو اب ضروری ہے کہ اس سے استفادہ واستفاضہ کرے اور دلجمعی کے ساتھ اپنی اصلاح وتزکیہ کرائے۔

عام طور پر لوگ شیوخ سے بیعت تو ہو جاتے ہیں مگر اصلاح وتزکیہ نہیں کراتے، حالاں کہ بیعت کی اصل وحقیقت ہی یہ ہے کہ اپنے ظاہر وباطن کو شریعت کے سانچے میں ڈھالنے کے لیے شیخ سے رہبری حاصل کرے، باقی ہاتھ میں ہاتھ دینا (جس کو عرفِ عام میں بیعت کہتے ہیں) وہ صورت بیعت ہے اور سنت ہے، اور اس صورت کی حقیقت اصلاحِ احوال ہے۔ اگر صورت ہی پر اکتفا کر بیٹھیں تو اصلاح وتزکیہ کیسے ہوگا؟

رہا یہ سوال کہ شیخ سے استفادہ اور اصلاح وتزکیہ کرانے کا کیا طریقہ ہے؟ بعض عوام اس سلسلہ میں عجیب عجیب خیالات پکائے ہوئے ہیں، کوئی یہ سمجھتا ہے کہ بس بیعت ہوتے ہی سارے گناہ بخش دیئے جائیں گے اور کوئی یہ خیال کیے ہوئے کہ شیخ سے کچھ وظائف حاصل ہوں گے اور اس کو پڑھنے سے سارے کام بن جائے

(۱) ارشاد الملوک: ۷

گے، کسی کا یہ خیال کہ شیخ کے مریدوں میں داخل ہونے اوران کے شجرہ میں نام آنے سے بخشش کا پروانہ مل جائے گا ، وغیرہ حالانکہ بیعت کا نہ یہ مقصود ہے اور نہ اس سے ایسا ہوتا ہے۔

لہٰذا اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ شیخ سے استفادہ ایک تو اس طرح ہوتا ہے کہ اپنے تمام امراض اور برائیوں کو اس کے سامنے پیش کر کے اصلاح لے اور جو کچھ شیخ تعلیم وہدایت دے، اس پر عمل کرے۔

حضرت خواجہ عزیز الحسن مجذوبؒ نے اپنے ایک قطعہ میں فرمایا ہے کہ ؎

چار شرطیں لازمی ہیں استفاضہ کے لیے
اطلاع واتباع واعتقاد وانقیاد
یہ مقفّی قول ہے رنگین بھی سنگین بھی
حضرت مرشد کا یہ ارشاد رکھ تا عمر یاد

اس میں شیخ سے فیض حاصل کرنے کے لیے چار شرائط بیان فرمائی ہیں اور یہ دراصل حضرت حکیم الامت تھانویؒ کا فرمان ہے جس کو خواجہ صاحبؒ نے منظوم فرمایا ہے۔

پہلی شرط اطلاع ہے، یعنی اپنے احوال کو بلا کم وکاست شیخ کے سامنے رکھ دینا اوراس سلسلہ میں خیانت بالکل نہ کرنا چاہئے اور نہ ہی شرم کرنا چاہئے ، جیسے ڈاکٹر سے بیماری کو چھپایا نہیں جاتا بلکہ کچھ دیر کے لیے شرم وحیاء کو اٹھا کر رکھ دیا جاتا ہے اور بیماری کو صاف ظاہر کیا جاتا ہے تاکہ طبیب وڈاکٹر بیماری کا معائنہ اور تشخیص کرے اور پھر علاج تجویز کرے۔

اسی طرح شیخ طبیب روحانی ہوتا ہے اس کے سامنے اپنے امراض کا اظہار کر کے علاج معلوم کرنا چاہئے۔

دوسری شرط یہ ہے کہ شیخ جو علاج تجویز کرے اس کی اتباع کرے، خواہ وہ کسی کام کے کرنے کی تجویز ہو یا کسی کام کو چھوڑنے کی تجویز ہو، اور یہ ظاہر ہے کہ جب تک طبیب وڈاکٹر کی تجویز پر عمل نہ ہوگا، بیماری زائل نہیں ہوتی، اسی طرح جب تک شیخ کی تجویز پر عمل نہ ہوگا، بیماری ختم نہ ہوگی، پھر تجویز میں کبھی کسی کام کے اختیار کرنے کا حکم ہوگا اور کبھی کسی کام کے ترک کرنے کا حکم ہوگا، جیسے جسمانی بیماری کے علاج میں بھی کبھی تو ڈاکٹر کوئی دوا یا غذا تجویز کرتا ہے اور کبھی کسی چیز سے پرہیز تجویز کرتا ہے اور دونوں تجویزوں پر عمل ضروری ہے۔ اگر غذا و دوا والی تجویز پر عمل کیا مگر پرہیز والی تجویز پر عمل نہ کیا تب بھی پورا فائدہ نہ ہوگا بلکہ بعض اوقات پرہیز نہ کرنے سے بیماری بڑھ جاتی ہے؛ اسی طرح روحانی امراض میں شیخ کبھی تو کوئی عبادت، ذکر، وظیفہ ومراقبہ یا کوئی شغل وعمل تجویز کرتا ہے اور کبھی کسی بات سے احتراز و پرہیز کا حکم دیتا ہے جیسے لوگوں سے میل جول یا زیادہ بات چیت، کھانے میں کمی وزیادتی وغیرہ سے منع کر دیتا ہے؛ اتباع میں ان دونوں تجاویز پر عمل داخل ہے۔

تیسری شرط اعتقاد ہے کہ شیخ سے عقیدت ہو، محبت ہو، کیونکہ شیخ کی تشخیص اور تجویز پر اعتماد اور اس کے مطابق عمل اسی وقت ہوسکتا ہے جب کہ شیخ سے اعتقاد ہو، اگر اعتقاد ہی نہ ہوگا تو اس کی تشخیص وتجویز پر اعتماد کیسے ہوگا اور جب اعتماد نہ ہو تو عمل کیوں کر ہوگا؟ اسی لیے علماء تصوف وسلوک نے لکھا ہے کہ شیخ سے اعتقاد ومحبت اکسیر اعظم ہے۔

اور چوتھی شرط انقیاد ہے جس کے معنی ہیں خضوع، یعنی جھکنا، مطلب یہ ہے کہ شیخ کے ساتھ انقیاد اور عاجزی وانکساری کا معاملہ کرے، اس کے سامنے اپنے آپ کو مٹا دے اور پامال کر دے جیسا کہ فرمایا گیا ہے ۔

قال را بگذار مردِ حال شود ☆ پیش مردِ کاملے پامال شود

اور خواجہ مجذوبؒ نے فرمایا کہ ؎

پیش رہبر ذلیل ہو جاؤ ☆ متبع بے دلیل ہو جاؤ
پھر تو سچ مچ جمیل ہو جاؤ ☆ یعنی حق کے خلیل ہو جاؤ

غرض یہ کہ شیخ و پیر سے اس طرح استفادہ کیا جاتا ہے کہ اعتقاد وانقیاد کے ساتھ احوال کی اطلاع دے کر تشخیص و تجویز پر پوری طرح عمل کیا جائے۔

اس کے لیے پہلے اندر کے عیوب اور نقائص، خرابیوں اور بیماریوں کو دیکھنا چاہئے کہ کیا کیا بیماریاں اور عیوب میرے اندر ہیں، پھر ان کو شیخ کے سامنے ظاہر کرنا چاہئے۔

ایک تو اس طرح شیخ سے استفادہ ہوگا، دوسرے اس طرح کہ شیخ کی معیت وصحبت میں رہ کر ان کی باتوں کو سنا جائے اور اپنے احوال پر ان کو منطبق کیا جائے، نیز صحبت شیخ سے فیض روحانی و باطنی حاصل کرنے کی نیت بھی کی جائے، کیونکہ شیخ کامل و بابرکت کا فیض دل سے دل کی طرف منتقل ہوتا ہے بلکہ اس کے الفاظ اور کلام سے بھی اس کا نور باطن مرید کے دل پر منعکس ہوتا ہے۔

مولانا رومیؒ نے فرمایا ؎

شیخ نورانی زرہ آگہہ کند ☆ نور رابا لفظہا ہمرہ کند
گر تو سنگ خارہ ومرمری بوی ☆ گر بصاحبدلے رسی گوہر شوی

(ترجمہ: شیخ صاحبِ نور باطن، طالبین حق کو راہ حق بھی دکھاتا ہے اور اپنے نور باطن کو بھی اپنے الفاظ کے ذریعہ طالبین کے ہمراہ کر دیتا ہے، اگر تو پتھر کی طرح بے قدر بھی ہوگا تو کسی صاحب دل بزرگ کے پاس جائے گا تو موتی کی طرح آبدار ہو جائے گا)

اس طرح شیخ سے فیض پا کر اپنے دل کو جو گناہوں کا عادی اور پتھر کی طرح

قاسی ہوگیا ہے موتی کی طرح آبدار و بیش قیمت بنایا جاسکتا ہے۔

قلب سے متعلق وارد بعض احادیث مع مختصر تشریح

(۱) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب بندہ کوئی گناہ کرتا ہے تو وہ اس کے دل پر ایک کالا نکتہ اور داغ بن جاتا ہے اگر توبہ کرلیتا ہے اور اس گناہ سے الگ ہوجاتا ہے تو اس کا دل صاف وصیقل ہوجاتا ہے اور اگر مزید گناہ کرتا ہے تو یہ داغ بھی زیادہ ہوجاتا ہے (اور بعض روایات میں ہے کہ) یہ گناہ بڑھ کر اس کے پورے قلب کو گھیر لیتا ہے۔ اس کے بعد حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ قرآن پاک کی اس آیت میں اسی طرف اشارہ ہے:

﴿كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ﴾

(ترجمہ: ہرگز نہیں، بلکہ ان کے دلوں پر زنگ ہے)۔(۱)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ گناہ کی وجہ سے دل پر زنگ آجاتا ہے اور وہ توبہ کرنے سے زائل ہوتا ہے ورنہ بڑھ کر دل کو پوری طرح زنگ آلود کردیتا ہے۔ حسن بصریؒ نے فرمایا کہ وہ زنگ گناہ پر گناہ ہے، جس سے دل اندھا ہوجاتا ہے اور آخر کار مرجاتا ہے۔(۲)

(۲) حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ دل چار قسم کے ہیں، ایک صاف شفاف دل جس میں روشن چراغ ہو، یہ مومن کا دل ہے، دوسرے کالا دل جو الٹا ہو، یہ کافر کا دل ہے، تیسرے بے سمجھ دل جو غلاف سے بندھا ہوا ہو، یہ منافق کا دل ہے، چوتھا دورُخا دل جس میں ایمان ہو، اس میں

(۱) ترمذی: ۲/۱۷۱، قال الترمذی ہذا حدیث صحیح (۲) ابن کثیر: ۴/۴۸۵

ایمان کی مثال ساگ سی ہے کہ جسے میٹھا پانی بڑھاتا ہے اور نفاق کی مثال پھوڑے کی سی ہے جسے پیپ بڑھاتی ہے جس پر جو مادہ غالب ہوگا اس پر وہی حکم لگایا جائے گا۔(۱)

اس حدیث میں بتایا گیا ہے کہ قلب کی کئی قسمیں ہیں، اور مؤمن کا قلب صاف شفاف آئینہ کی طرح ہوتا ہے، اور اس میں معرفتِ الٰہی کا چراغ روشن ہوتا ہے۔ اور کافر کا دل کالا اور الٹا ہوتا ہے اس لیے کوئی حق بات سمجھنے سے وہ بعید ہوتا ہے۔ اور منافق کا دل، غلاف چڑھا ہوا ہوتا ہے۔ اور اس وجہ سے وہ بھی قبولیتِ حق کی صلاحیت کھو بیٹھتا ہے۔ اور آخری قسم وہ ہے جس میں ایمان بھی ہو اور نفاق بھی؛ یہاں نفاق سے عملی نفاق مراد ہے کیوں کہ اعتقادی نفاق ایمان کے ساتھ جمع نہیں ہوسکتا۔

(۳) حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ دل کو قلب اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ اُلٹ پُلٹ ہوتا رہتا ہے؛ دل کی مثال ایسی ہے جیسے کسی کھلے میدان میں درخت میں ایک پر لٹکا ہوا ہو، جس کو ہوا آگے پیچھے اُلٹ پُلٹ کر رہی ہو۔(۲)

اس کی شرح میں ملاعلی قاریؒ فرماتے ہیں کہ دل شر سے خیر کی طرف اور خیر سے شر کی طرف منتقل ہوتا رہتا ہے، اور اسی وجہ سے اس کا نام قلب (کہ قلب کے معنی بدلنے اور الٹ پلٹ کرنے کے ہیں)(۳)

(۴) حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ یہ دعا کرتے تھے کہ ’’اے اللہ! میں آپ کی پناہ لیتا ہوں چار چیزوں سے، اس علم سے جو نفع نہ دے، اس قلب سے جو خشوع والا نہ ہو، اس نفس سے جو سیراب نہ ہو، اور اس دعا سے جو مقبول نہ ہو۔(۴)

(۱) احمد:۳/۱۷(۲) جامع الصغیر:۲۹۹۵(۳) مرقات:۱/۶۷(۴) المشکوٰۃ:۲۱۷

بعض وقت آپ اللہ سے قلب خاشع کا سوال فرماتے۔ اس حدیث میں اللہ کے رسول اللہ ﷺ کی دعا منقول ہے، جس میں آپ ﷺ اس قلب سے پناہ مانگ رہے ہیں جس میں خشوع نہ ہو معلوم ہوا کہ اس میں خشوع کی کیفیت مطلوب ہے اور نہ ہونا مذموم ہے۔ قرآن میں ہے کہ:

﴿ اَلَمۡ یَأۡنِ لِلَّذِیۡنَ آمَنُوۡا اَنۡ تَخۡشَعَ قُلُوۡبُهُمۡ لِذِکۡرِ اللّٰهِ وَمَانَزَ لَ مِنَ الۡحَقِّ ﴾

(ترجمہ: کیا مسلمانوں کے لیے وہ وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کے ذکر اور جو حق نازل ہوا ہے اس کے لیے جھک جائیں؟)

''بلاشبہ دل اس لیے بنایا گیا ہے کہ اپنے خالق و مالک کے سامنے جھک جائے اور سینہ اس کے لیے کھل جائے اور اس میں نور ڈالا جائے، پس اگر وہ ایسا نہ ہو تو وہ قلب قاسی (سخت دل) ہے، اور اس سے پناہ مانگنا واجب ہے۔''(۱)

(۵) عن أبی هریرة رضی اللّٰه عنه قال قال رسولُ اللّٰهِ ﷺ ''إنَّ اللّٰهَ لاَ یَنۡظُرُ إلیٰ اَجۡسَادِکُمۡ وَلاَ إلیٰ صُوَرِکُمۡ وَلٰکِنۡ یَنۡظُرُ إلیٰ قُلُوۡبِکُمۡ وَأَشَارَ إلیٰ صَدۡرِهٖ بِأصَابِعِهٖ''(۲)

(ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ تمہارے جسموں اور صورتوں کو نہیں دیکھتے لیکن وہ تمہارے قلوب کو دیکھتے ہیں (پھر آپ نے اپنے سینہ کی طرف انگلیوں سے اشارہ فرمایا)

یہ حدیث بہت اہم مسئلہ کی طرف رہنمائی کر رہی ہے وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں جسموں اور صورتوں پر فیصلہ نہیں ہوگا بلکہ قلب کے اعتبار سے فیصلہ ہوگا، علامہ نووی فرماتے ہیں کہ ''اللہ کے نظر فرمانے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جزاء عطا فرمائیں گے۔ حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اعمالِ ظاہرہ کی جزاء، دل میں موجود اللہ کی عظمت و خشیت سے عطا فرمائیں گے۔ (۳)

(۱) مرقات: ۲۲۸/۵ (۲) مسلم: ۲/ ۳۱۷، ابن ماجہ: ۳۰۶ (۳) مسلم: ۳۱۷/۲

علامہ عبد الروف المناوی اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں:

"یعنی ظاہر پر اللہ جزاء نہیں دیتا، اور نہ مالوں پر جو خیرات سے خالی ہیں، لیکن وہ قلوب کو دیکھتا ہے جو تقویٰ کا محل اور جواہر کا برتن اور معرفت کا خزانہ ہے (پھر فرماتے ہیں) نظر کے معنی یہاں احسان، رحمت اور مہربانی کے ہیں، اور نظر نہ کرنے کے معنی احسان ورحم نہ کرنے کے ہیں، پس احسان ورحمت کو نظر سے مجازاً تعبیر کیا ہے، پھر فرمایا کہ لوگوں کی نظر ومیلان اچھی صورتوں اور مالوں کی طرف ہوتا ہے اور اللہ کی ذات اس سے منزۃ ہے، لہٰذا اس کی نظر اس پر ہے جو سر واصل مغز ہو، اور وہ قلب وعمل ہیں۔(۱)

(٦) عَنْ اُبنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلىَّ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "لاَ تُكْثِرُوْاالْكَلاَمَ بِغَيْرِ ذِكْرِاللّٰهِ فَإِنَّ كَثْرَةَالْكَلاَمِ بِغَيْرِ ذِكْرِاللّٰهِ قَسْوَةٌ لِلْقَلْبِ وَإِنَّ أَبْعَدَ النَّاسِ مِنَ اللّٰهِ الْقَلْبُ الْقَاسِي." (٢)

(ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بغیر ذکر اللہ کے زیادہ بات نہ کرو، کیوں کہ ذکر اللہ کے بغیر کثرتِ کلام دل کے لیے سختی ہے اور تمام لوگوں میں سب سے زیادہ خدا سے دور وہ ہے جو سخت دل (والا) ہو)

مذکورہ حدیث سے معلوم ہوا کہ ذکر اللہ سے غافل ہوکر، دنیوی بات چیت سے دل میں سختی پیدا ہوتی ہے، جو کہ ایک روحانی وباطنی بیماری ہے، اور جس کے دل میں سختی وقساوت کی بیماری ہو، خدا کے نزدیک وہ تمام لوگوں میں سب سے دور ہے یعنی اس کی رحمت سے دور ہے، معلوم ہوا کہ دل کی سختی انتہائی قبیح روحانی بیماری ہے

(۱) فیض القدیر: ۲/۲۸۶ (۲) ترمذی: ۲/۶۶

جس سے آدمی رحمت خداوندی سے محروم ہوجاتا ہے، نیز اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ یہ بیماری، ذکراللہ سے غفلت اور دنیوی فضول گوئی سے پیدا ہوتی ہے۔ لہٰذا اس سے بچنا چاہئے، اور ذکراللہ کی کثرت کرنا چاہئے تاکہ دل میں نرمی پیدا ہو۔

(۷) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِی اللّٰہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ ''إنَّ الَّذِیْ لَیْسَ فِیْ جَوْفِہٖ شَیْءٌ مِنَ الْقُرآنِ کَالْبَیْتِ الْخَرِبِ.''(۱)

(ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص کے دل میں قرآن کا کچھ حصہ نہ ہو وہ ویران گھر کی طرح ہے)

ملاّ علی قاریؒ اس کی شرح میں فرماتے ہیں کہ یہ دل ویران گھر کی طرح اس لیے ہے کہ دلوں کی آبادی ایمان وقرأتِ قرآن سے ہوتی ہے اور باطن کی زینت وبہار، عقائد حقہ اور اللہ کی نعمتوں میں تفکر سے ہوتی ہے، اور اس میں قرآن سے خالی دل کو ویران گھر سے تشبیہ اس طور پر ہے کہ قرآن جب دل میں ہوگا تو کم یا زیادہ ہونے کے اعتبار سے وہ مزین ومعمور ہوگا اور جب وہ اس چیز سے خالی ہوگا جو اس کے لیے ضروری ہے، یعنی ایمان واعتقادِ حق اور اللہ کی نعمتوں اور اس کی صفات میں تفکر وتدبر، تو وہ اس گھر کی طرح ویران ہوگا جو اسباب وسامان اور زیب وزینت سے خالی ہو۔(۲)

اس حدیث اور اس کی تشریح سے معلوم ہوا کہ دل کی آبادی، قرآن اور اس پر ایمان وعمل سے ہے، اس کے بغیر دل آباد نہیں ہوسکتا بلکہ وہ ویران گھر کی طرح ہوتا ہے۔

(۸) عَنْ عَائِشَۃَ رَضِيَ اللّٰہُ عَنْھَا قَالَتْ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ یَقُوْلُ ''اَللّٰھُمَّ اغْسِلْ خَطَایَایَ بِمَاءِ الثَّلْجِ وَالْبَرَدِ وَنَقِّ قَلْبِي کَمَا یُنَقَّي الثَّوْبُ الْاَبْیَضُ مِنَ الدَّنَسِ.''(۳)

(ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ (دعا میں)

---

(۱) ترمذی: ۲/۱۱۹، دارمی: ۲/۲۰ (۲) مرقات: ۴/۳۵۴ (۳) بخاری: ۲/۹۴۳، مسلم: ۲/۳۴۷

فرماتے تھے، اے اللہ! میری خطاؤں کو برف اور اولے کے پانی سے دھودے اور میرے قلب کو اس طرح صاف کردے جیسے سفید کپڑے کو میل کچیل سے صاف کردیا جاتا ہے)

اس حدیث میں اللہ کے نبی ﷺ کی دعا نقل کی گئی ہے جس میں ایک درخواست آپ نے یہ فرمائی ہے کہ اے اللہ! میری خطاؤں کو برف اور اولے کے پانی سے دھودے، اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ گناہ اور خطا میں جہنم کی تیزی اور گرمی ہوتی ہے، لہٰذا اس کو انتہائی ٹھنڈے پانیوں سے دھونے کی درخواست فرمائی ہے۔

یا اس لیے کہ گناہ میں سیاہی ہوتی ہے اور برف اور اولے سفید، تو اس طرف اشارہ ہے کہ مغفرت سے گناہ کی سیاہی، سفیدی میں تبدیل ہوجاتی ہے اور دوسری درخواست یہ فرمائی کہ اے اللہ! میرے دل کو اس طرح صاف کردے جیسے سفید کپڑے کو میل کچیل سے صاف کیا جاتا ہے۔ ملّا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ اے اللہ! میرے دل کو باطنی گناہوں اور خطاؤں سے صاف کردے اور یہ باطنی گناہ، برے اخلاق اور اور گندی عادات ہیں۔

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ یہ جو آپؐ نے فرمایا کہ

میرے دل کو اس طرح صاف فرمادے جیسے سفید کپڑے کو میل سے صاف کیا جاتا ہے۔ اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ قلب اصل فطرت کے اعتبار سے سلیم، نظیف اور سفید ہوتا ہے، لیکن گناہوں کے ارتکاب اور عیوب سے اپنے آپ کو ملوث کرلینے کی وجہ سے کالا ہوجاتا ہے۔ (۱)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دل گناہوں کی وجہ سے کالا اور سیاہ ہوجاتا ہے اور اخلاق رذیلہ اور ردی عادات سے اس کا اصلی رنگ وروپ بگڑ جاتا ہے۔ لہٰذا اس

(۱) مرقات: ۲۲۵/۵

کی اصلاح کے لیے جہاں محنت ومجاہدہ درکار ہے، وہیں اللہ سے دعا کی بھی ضرورت ہے، کیونکہ کسی کی محنت ومجاہدہ اور عمل وتدبیر اس وقت تک کارگر نہیں جب تک کہ اللہ تعالیٰ اس کو کامیاب نہ فرمائے۔ لہٰذا سنت نبوی کے مطابق دل کی صفائی کے لیے الحاح وزاری کے ساتھ اللہ سے دعا بھی کرنا چاہیۓ۔

دعا واختتام:

ان چند گذارشات پر اس مختصر تحریر کو ختم کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے ظاہر وباطن دونوں کو سنوارنے اور شریعت کے مطابق ان کو ڈھالنے کی توفیق عطا فرمائے اور ظاہر سے زیادہ باطن کی طرف توجہ کی توفیق عطا فرمائے۔ جیسا کہ حدیث میں دعا ہے کہ (اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ سَرِيْرَتِيْ خَيْراً مِنْ عَلاَ نِيَتِيْ وَاجْعَلْ عَلاَنِيَتِيْ صَالِحَةً)

(ترجمہ: اے اللہ میرے باطن کو ظاہر سے بہتر بنادے اور میرے ظاہر کو صالح بنادے)

فقط

محمد شعیب اللہ

یکم ربیع الأول

۴/ جون ۲۰۰۰